قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

وعظ ۱۰۳ مسمّٰی بہ

العید والوعید

منجملہ ارشادات حکیم الامۃ حضرت مرشدی ومولائی شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی دام ظلہم

حسب فرمائش جناب ناظم صاحب امداد المواعظ تھانہ بھون،

احقر شبیر علی عفی عنہ

مالک اشرف المطابع تھانہ بھون نے اپنے اہتمام سے شائع کیا

۳۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوعظ المسمّٰی بہ

العید و الوعید

۴ ۲۳ رمضان کو ایک جمعہ میں اُن کا بیان ہوا پھر انکی درخواست پر اخیر جمعہ میں حضرت مدظلہم نے بیان فرمایا

ے توبہ نکی ہو وہ اس میں جلدی کرے ورنہ وعید حدیث کا مستحق ہوگا ٭ ٭ ٭ ٭

اَیْن	کہاں ہوا	مسجد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مَتٰی	کب ہوا	۳۰ رمضان سنہ ۴۳ھ یوم الجمعۃ الآخرۃ
کَمْ	کتنی دیر ہوا	۲ گھنٹہ ۱۵ منٹ
کَیْفَ	کس طرح ہوا	کرسی پر بیٹھکر کیونکہ مسجد میں اونچا ممبر نہیں
لِمَ	کیوں ہوا	اکثر رمضان کے آخر جمعہ میں وعظ ہوتا ہے وظیفہ ارشاد حضرت علامہ صاحبزادی ... الاستاذ مولانا محمد یحییٰ حضرت العلامۃ
مَاذَا	کیا مضمون تھا	رمضان کا ختم ہونا بھی نعمت ہے اس سے اتمام صوم پر خوشی ہونا چاہیے کیونکہ اخیر رمضان میں مغفرت کامل ہوجاتی ہے اور جس نے معاصی
مَنِ الْمُنْتَفِعُوْن	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	ہر طبقہ کو عموماً۔
مَنْ ضَبَطَ	کس نے ضبط کیا	احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ تھانوی۔
کَمِ السَّامِعُوْن	سامعین کی تخمینی تعداد	۵۰۰ تقریباً۔
الْاُمُوْرُ الْمُتَفَرِّقَۃ	متفرقات	تسوید تفصیلی ۲۶ شوال کو شروع ہو کر ۲۷ شوال کو تمام ہوئی

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

امابعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ز ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللّٰہ علی ماھداکم ولعلکم تشکرون ط یہ ایک لمبی آیت کا ٹکڑا ہے اس سے پہلے حق تعالیٰ نے کچھ احکام صوم کے متعلق بیان فرمائے ہیں پھر انکو ختم کیا ہے ایسے احکام پر جنمیں کچھ حکمتیں بھی اُن احکام کی مذکور ہیں چونکہ ان میں ایک مضمون ختم رمضان کے متعلق بھی ہے اس لئے بمقتضائے وقت اسکا اختیار مناسب ہوا۔ اسکے قبل جو احکام مذکور ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ دو حکموں کی مشروعیت کا ذکر کیا گیا ہے ایک ادار صیام کا ایک قضار صیام کا۔ چنانچہ اوپر اول یہ فرمایا ہے یاایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۝ ایاما معدودات ط فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر ط وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین ومن تطوع خیرا فھو خیر لہ ط وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۝ اسمیں قضار وادار دونوں کے احکام مذکور ہیں اور ابتدار میں طاقت رکھنے والوں کو بھی افطار صوم کی اجازت تھی اور اس صورت میں فدیہ دینے کا حکم تھا پھر یہ حکم منسوخ کیا گیا چنانچہ اگلی آیت میں فرماتے ہیں شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینات من الھدی والفرقان ط فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ط ومن کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر اسمیں بھی ادار وقضار دونوں کا حکم مذکور ہے جسمیں بتلادیا گیا کہ مریض ومسافر کیلئے حکم اول منسوخ نہیں ہوا۔ اسکے بعد یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ط الآیہ میں ان احکام کی حکمتوں کا ذکر ہے۔ احکام تو ظاہر ہیں اور لوگ بارہا سن چکے ہیں اسلئے انکو میں اسوقت بیان نکروں گا اسوقت میں اخیر کا مضمون بیان کروں گا جسمیں احکام مذکورہ کی حکمتوں کا ذکر ہے کیونکہ اسکو لوگوں نے بہت کم سنا ہوگا اور اکثر اس سے ناواقف ہیں اسلئے اس کا سمجھنا ضروری ہے ہرچند کہ حق تعالیٰ کے احکام میں حکمتوں کا انتظار نہ کرنا چاہیے لیکن اگر کہیں وہ از خود بیان فرمادیں تو اُن کو سمجھنا چاہیئے اور حق تعالیٰ نے کہیں کہیں احکام کی حکمتیں اسلئے بیان فرمادیں کہ بعض دفعہ حکمت کا معلوم ہوجانا مفید ہوتا ہے گو کبھی مضر بھی ہوتا ہے پس اب فیصلہ یہ ٹھہرا کہ از خود

تو در پئے حکمت نہو اور اگر کہیں حق تعالیٰ ہی بیان کر دیں تو سمجھنا چاہئے کہ یہاں علمِ حکمت مضر نہیں اور جہاں وہ بیان نکریں وہاں عمل کیلئے حکمت کا انتظار نکرے اور غیر مذکور کو مذکور کے ساتھ ملحق کر کے اسپر قیاس نکرے کہ ایک جگہ علم حکمت ہمکو مضر نہوا تھا تو یہاں بھی مضر نہوگا کیونکہ یہ قیاس صحیح نہیں ممکن ہے کہ ہر حکم کی نوعیت جدا ہو جس سے خواص ہی بدل جائیں۔ اور میں جو احکام کی حکمتیں تحقیق کرنے سے منع کر رہا ہوں احکام کی علتیں جو مجتہدین تحقیق کرتے ہیں اُن علتوں کو ان حکمتوں پر قیاس نکرنا چاہئے وجہ فرق کی دو امر ہیں ایک تو یہ کہ وہ علتیں مجتہدین کی سمجھی ہوئی ہیں اور یہ حکمتیں غیر مجتہد کی سمجھی ہوئی دوسرے وہ علتیں بضرورت نکالی جاتی ہیں کہ مسکوت عنہ میں حکم کا تعدیہ کریں اور یہ حکمتیں بلا ضرورت نکالی جاتی ہیں کیونکہ احکام ان حکمتوں پر موقوف نہیں اور گو وہ علل بھی ظنی ہونگی قطعی نہونگی اور اسی لئے وہ احکام جو اُن علتوں پر مبنی ہیں ظنی ہوں گے مگر علوم ظنیہ بھی اثبات حکم کیلئے کافی ہیں اور حکمت نکالنے سے اثبات حکم مقصود نہیں اسلئے وہاں ظنیت کو خطرناک کہا جاویگا اور یہاں ایک استطرادی تحقیق ہے وہ یہ کہ بعض لوگوں کو بعض نصوص سے علوم ظنیہ کے مطلقاً مفید نہونیکا شبہ ہو گیا ہے جیسے ان الظن لا یغنی من الحق شیئا اسمیں شیئا نکرہ ہے تحت نفی کے جس سے معلوم ہوا کہ ظن کسی درجہ میں بھی مفید نہیں تو سمجھنا چاہئے کہ یہ دھوکہ اصطلاح اور محاورہ کے خلط سے پیدا ہوا ہے قرآن کو محاورات پر سمجھنا چاہئے کیونکہ اُس کا نزول محاورات عرب ہی پر ہوا ہے نزول قرآن کے وقت اہل عرب ان معقولی اصطلاحات کو جانتے بھی نتھے یہ تو بعد میں مقرر ہوئی ہیں پس اب سمجھو کہ محاورات میں ظن کے معنی مطلق خیال کے ہیں خواہ صحیح ہو یا غلط۔ مدلل ہو یا غیر مدلل۔ مطابق واقع ہو یا خلافِ واقع۔ تو ظن اصطلاحی بھی اسکی ایک فرد ہے چنانچہ قرآن میں ایک جگہ ظن کا استعمال بمعنی اعتقاد جازم ہوا ہے یظنون انھم ملاقوا ربھم یہاں اعتقاد جازم مراد ہے کیونکہ اسپر اجماع ہے کہ اعتقاد آخرت میں ذرا سا شک بھی کفر ہے۔ اور ایک جگہ آخرت کے متعلق کفار کا قول نقل کیا گیا ہے ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین یہاں وہم وخیال مراد ہے کیونکہ انکو آخرت کے متعلق ظن اصطلاحی بھی نتھا بلکہ وہ تو منکر و مکذب تھے

اسی طرح ان الظن لا یغنی من الحق شیئا میں ظن اصطلاحی مراد نہیں بلکہ خیال بلا دلیل مراد ہے کیونکہ یہاں کفار کے بارہ میں گفتگو ہے اور ان کا ظن (ملائکہ کے بنات اللہ ہونیکے بارہ میں ۱۲) کسی دلیل سے نہ تھا بلکہ خلاف دلیل تھا چنانچہ اوپر کی آیت سے اس کا کفار کے متعلق ہونا ظاہر ہے فرماتے ہیں ان الذین لا یؤمنون بالاٰخرۃ لیسمون الملئکۃ تسمیۃ الانثیٰ ۰ وما لھم بہ من علم ان یتبعون الا الظن اسی کے متعلق آگے ارشاد ہے وان الظن لا یغنی من الحق شیئا کہ ایسا ظن جو بلا دلیل ہو جیسا کفار کو تھا مغنی عن الحق نہیں ہے۔ اب تو مشکل یہ ہے کہ طلبہ قرآن کو ملا حسن وحمد اللہ کے بعد پڑھتے ہیں جبکہ انکے ذہن میں یہ اصطلاحات رچ جاتی ہیں پھر وہی تمام قرآن میں سوجھتی ہیں جیسا کہ میں ایکدفعہ دیوبند میں طالب علمی کے وقت تصور شیخ کا مسئلہ لکھ رہا تھا جو مولانا محمد یعقوب صاحب نے نقل کیلئے دیا تھا اسوقت ایک معقولی طالبعلم آئے اور پوچھنے لگے کہ کیا لکھ رہے ہو میں نے کہا تصور شیخ کا مسئلہ لکھ رہا ہوں کہنے لگے شیخ بو علی سینا کا۔ ان کے نزدیک بس وہی تو ایک شیخ تھا اور سارے جولاہے ہی تھے۔ اور ہم لوگ بھی اس مرض میں مبتلا ہیں کہ حدیث وفقہ کی اصطلاحات کو ہر جگہ جاری کرتے ہیں چنانچہ ایک صاحب نے جو معقول نہ جانتے تھے کسی کتاب میں تصدیق کے متعلق امام رازی کے نقل مذہب کے موقع پر لکھا ہوا دیکھا قال الامام تو کہتے ہیں کیا امام ابو حنیفہ کا یہ مذہب تھا انکے ذہن میں امام بس وہی تھے غرض یہ کچھ قاعدہ ہے کہ جو چیز ذہن میں رچی ہوتی ہے ہر جگہ وہی سوجھتی ہے ؎

جب کوئی بولا صدا کانوں میں آئی آپ کی

یہیں سے معلوم ہو گیا کہ اگر کسی مغلوب صوفی پر وحدۃ الوجود کا حال طاری ہو جاوے تو اسپر کیا اعتراض ہے اس غریب کے ذہن میں بھی ایک ذات رچی ہوئی ہے وہی ہر جگہ اسکو سوجھتی ہے جیسے کسی نے ایک طالبعلم سے کہا تھا کہ دو اور دو کے ہوتے ہیں تو وہ بیساختہ کہتا ہے چار روٹیاں اس غریب کے ذہن میں روٹیاں ہی رچی ہوئی تھیں تو اگر کسی کے ذہن میں خدا تعالےٰ کی ہستی رچ جائے اور ہر چیز میں وہی نظر آنے لگے تو اسپر فتوے کیوں لگائے جاتے ہیں ایکدفعہ مولانا جامی رح پر بھی وحدۃ الوجود کا حال طاری تھا اسوقت غلبہ حال میں وہ یہ شعر

پڑھ رہے تھے ؎

بسکہ درجان فگار وچشم بیدارم توئی ہرچہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

پیدا می شود یہاں پر بمعنی ظاہر می شود ہے اسوقت کوئی منکر سامنے سے آگیا اس نے تمسخر کے طور پر کہا مولانا اگر خر پیدا شود آپنے فوراً جواب دیا کہ پندارم توئی یعنی اگر گدہا سامنے آئے گا تو میں سمجھونگا کہ تو ہے۔ کیسا پر مغز جواب ہے کہ اپنا دعوی بھی صورۃً محفوظ رہا اور اسکے تمسخر کا بھی جواب ہو گیا۔ ان کاملین کو غلبۂ حال ایسا نہیں ہوتا کہ مسلوب الحواس ہو جائیں بلکہ ان کے حواس غلبۂ حال میں بھی درست رہتے ہیں اور ذرا سے تحرک سے حالتِ سکر مبدل بصحو ہو جاتی ہے اسی لئے مولانا جامی کو سوال منکر کے بعد فوراً ہی ظرافت کی سوجھی بہر حال وحدۃ الوجود کی حقیقت یہی ہے کہ سالک کے دل پر ہستی حق کا خیال رچ جاتا اور اس کا تصور غالب ہو جاتا ہے تو اب ہر چیز میں اسکو وہی نظر آنے لگتا ہے اور اسوقت وہ ہمہ اوست یا ہرچہ پیدا می شود از دور پندارم توئی کہنے لگتا ہے تو اسمیں اعتراض کی کیا بات ہے مگر اس حالت کے اقوال میں انکی ۴۰

تقلید نکرنا چاہیے کیونکہ یہ باتیں وہ غلبۂ حال اور درجۂ معذوری میں کرتے ہیں اور معذوری کی حالت کا اتباع نہیں ہو سکتا صاحب حال صادق پر جب تک عذر غالب نہیں ہوتا بہت ضبط سے کام لیتا ہے جب ضبط کی طاقت نہیں رہتی اور اختیار سلب ہو جاتا ہے اسوقت اس سے ایسے حرکات وجدیہ اور ایسے اقوال شطحیہ صادر ہونے لگتے ہیں

سعدی فرماتے ہیں ؎

بہ تسلیم سر در گریباں برند چو طاقت نماند گریباں درند

تو ایسی حالت بے اختیاری کی باتیں قابل تقلید کیونکر ہو سکتی ہیں مگر ان پر انکار بھی نکرنا چاہیے یہ تو جملہ معترضہ تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ طلبۂ معقول کے بعد قرآن کو پڑھتے ہیں جبکہ وہ اصطلاحات ان کے ذہن میں رچی ہوئی ہیں تو قرآن میں بھی انکو وہی سوجھتی ہے اسی کی مناسبت سے وحدۃ الوجود کا ذکر آگیا کہ اسکی حقیقت بھی ایک چیز کا ذہن میں رچ جانا ہے۔ بہر حال ان الظن لا یغنی من الحق شیئا میں ظن اصطلاحی

مراد نہیں بلکہ ظن بلا دلیل مراد ہے پس ظن اصطلاحی کا غیر کافی ہونا یا حجت نہونا
قرآن سے ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ دلائل شرعیہ سے اس کا معتبر و حجت ہونا معلوم
ہوتا ہے کیونکہ اسپر سب کا اتفاق ہے کہ قرآن میں بعض آیات مجملہ و مشکلہ بھی ہیں سبکی
سب مفسر و محکم ہی نہیں ہیں اور جب بعض آیات مجمل و مشکل بھی ہیں تو انکی کوئی تفسیر
قطعی نہیں ہو سکتی ورنہ پھر اجمال و اشکال ہی کہاں رہا اور جب کوئی تفسیر قطعی نہیں
تو ظنی ہوگی اب اگر ظن مطلقاً غیر معتبر ہے تو آیات مجملہ و مشکلہ بالکل متروک العمل ہو جائنگی
حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے مثلاً لامستم النساء میں ابہام ہے جسکی وجہ سے تفسیر
میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اس سے مراد لمس بالید ہے یا ملامستہ بالجماع ہر فریق اپنی تفسیر
کو دلائل سے ثابت کرتا ہے اور جسکے نزدیک جو معنی راجح ہیں اُنپر عمل کرتا ہے حالانکہ ہر
تفسیر ظنی ہے قطعی کوئی بھی نہیں مگر کسی نے اس آیت کو یہ کہکر ترک نہیں کیا کہ اسکی قطعی
مراد تو معلوم نہیں اور ظن معتبر نہیں لہذا اسپر عمل نہیں ہو سکتا۔ اور جب ظن معتبر ہے تو یقیناً
جو معنی جس شخص کے نزدیک راجح ہیں وہ اُسکو مدلول کلام ہی سمجھ رہا ہے گو قطعاً نہ سہی 1
ظناً ہی سہی (جسکا قرینہ یہ ہے کہ اس ظن کی بنا پر وجوب و حرمت و کراہت و مندوبیت
وغیرہ احکام شرعیہ ثابت کئے جاتے ہیں اور یہ احکام بدون نسبت الی الشارع کے ثابت
نہیں کئے جا سکتے پس ثابت ہو گیا کہ مدلول ظنی بھی مدلول نص ہی ہے ۱۲) تو جسطرح
قطعیات کو قطعاً مدلول نص کہا جاتا ہے اسی طرح ظنیات بھی ظناً مدلول نص ہیں
خواہ بلا واسطہ قیاس کے خواہ بواسطہ قیاس کے غرض حکم اور علل کا جدا جدا حکم ہے اور
ایک تفصیل استطراداً ہی علل شرعیہ کے متعلق بیان کرتا ہوں کیونکہ علل کے بارہ میں بھی
دو فرقے ہیں ایک وہ جو یوں کہتے ہیں کہ جو صاف صاف بتلادی گئی ہے اسکو بھی علت
سمجھو اور جو صاف صاف نہیں بتلائی گئی اسکو بھی تعدیہ کی ضرورت سے تلاش کرو اور
اسکو معلوم کر کے حکم کی بنا اُسپر سمجھو اور جزئی مسکوت عنہ میں اُس کے واسطہ سے حکم کو
متعدی کرو اور یہ طبقہ فقہار کا ہے اور ایک فرقہ وہ ہے جو یوں کہتا ہے کہ جو علت نصاً
بتلادی گئی ہے اُسپر تو عمل کرو اور جو نہیں بتلائی گئی اسکو تلاش نکرو بلا علل ظاہر میں جو

قیاس کو حجۃ شرعیہ نہیں کہتے نیت انکی بھی اچھی ہے کیونکہ منشا اس مسلک کا یہ ہے ؎

زبان تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علت از کار تو

ہمارے نزدیک امام داؤد ظاہری پر مذاق عشق غالب ہے وہ کہتے ہیں کہ جس حکم کی علت بتلائی گئی ہو بس وہی معلل ہے اور جسکی علت مذکور نہیں اسکو معلل بعلۃ کرنیکی ضرورت نہیں ہمکو بدون کسی علت کے تلاش کئے اسے اطلاق کے ساتھ عمل کرنا چاہئے مثلاً ایک حدیث میں ہے نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن القران بين البسر والرطب یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے چھواروں کی دو قسموں رطب و بسر کے ملانے سے منع فرمایا ہے عرب میں عادت تھی کہ پانی میں چھوارے ڈالکر بھگوتے اور اسکا زلال پیا کرتے تھے جسکو نبیذ کہتے ہیں یہ مقوی ہوتا ہے جیسا کہ یہاں بھی اطباء مریض کو بعض ادویہ کا خیسانده بتلایا کرتے ہیں تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ دو قسم کے چھوارے ملاکر نہ بھگوئے جائیں۔ اس حکم کو عام فقہاء نے تو معلل بالعلۃ مانا ہے کہ قران بین التمرین مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ خاص علت کی وجہ سے ممنوع ہے پھر اس علت کے بارہ میں اختلاف ہوا ہے بعض نے تو یہ کہا کہ رطب اور بسر کے ملانے سے نبیذ میں تیزی بہت جلد آجاتی ہے اسلئے آپنے منع فرمایا تو مدار حکم اشتداد پر ہے اس صورت میں یہ حکم ان موسموں کے ساتھ خاص ہوگا جنمیں اس قران سے اشتداد کا اندیشہ ہوتا ہے مثلاً گرمی یا برسات میں اور جاڑے کی موسم میں ممنوع نہ ہوگا کیونکہ اس موسم میں تیزی جلدی پیدا نہیں ہوتی نیز گرمی اور برسات میں بھی مطلق قران سے ممانعت نہ ہوگی بلکہ اتنی دیر تک ملاکر بھگونے سے ممانعت ہوگی جسمیں اشتداد کا اندیشہ ہو پس اگر کوئی ایک دو گھنٹہ تک ملاکر بھگو دے تو ممنوع نہ ہوگی اور بعض نے یہ کہا ہے کہ قران بین التمرین میں ایک قسم کا تنعم ہے اور وہ زمانہ قحط کا تھا اسلئے حضور نے اس تنعم سے منع فرمادیا کہ زمانہ قحط میں ایک شخص تو دو دو قسم کے چھوارے بھگوئے اور ایک کو ایک قسم بھی میسر نہ ہو اس صورت میں یہ حکم زمانہ قحط کے ساتھ مخصوص ہوگا اور اہل ظاہر کہتے ہیں کہ ہمکو اس

حکم کی علت نکالنے کی کچھ ضرورت نہیں جب حضورؐ نے علت نہیں بتلائی تو قرآن بین التمرین مطلقاً ممنوع ہے بعض اہل ظاہر تو یہانتک کہتے ہیں کہ دو قسم کے چھوارے ساتھ بھگونا ایسا ہے جیسے جمع بین الاختین گو یہ غلو ہے مگر ہم اسکی بھی قدر کرتے ہیں کیونکہ انکے اس قول کا منشا غلبۂ عشق اور غلو فی المحبت ہے مگر سبکو معلوم ہے کہ عاشق مغلوب کا اتباع نہیں کیا جاتا بلکہ اسکی کوشش کیجاتی ہے کہ اس کا جوش جنون اعتدال پر لایا جائے نہ یہ کہ ہم بھی ان جیسے مجنون ہو جائیں پس اہل ظاہر کی تقلید تو ہم کرتے نہیں بلکہ تغلیط کرتے ہیں لیکن انکو برا بھلا بھی نہیں کہتے بلکہ ایک درجہ میں انکی ان باتوں کی قدر کرتے ہیں کیونکہ منشا ان اقوال کا غلبۂ عشق ہے اور یہ حالت محمود ہے گو مقصود نہو اور یہ ممکن ہے کہ ایک حالت محمود ہو اور مقصود نہو (جیسے غلبۂ خشیت سے کثرت بکار حالت محمود ہے گو مقصود نہیں ۱۲) تو عشق کا ایسا غلبہ گو مقصود نہیں مگر فی نفسہ محمود ضرور ہے کیونکہ اس شخص میں عشق تو ہے اور کسی درجہ میں عشق کا ہونا ضروری بھی ہے اسکے بالکل نہونے سے ایمان پر خطرہ ہے بقول محققین کے شیطان اسی لئے گمراہ ہوا کہ اسکو حق تعالیٰ سے محض ضابطہ کا تعلق تھا محبت نتھی اور ملائکہ میں عشق و محبت کا اثر موجود تھا اسلئے حکم کے ساتھ ہی سب فوراً سجدہ میں گر پڑے بلکہ ملئکہ میں بعض پر استغراقی کیفیت طاری ہے کہ ہر وقت غلبۂ محبت کیوجہ سے مستغرق رہتے ہیں نیز احادیث سے بھی ملئکہ میں عشق و محبت کے وجود کا پتہ چلتا ہے چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام کا فرعون کے منہ میں کیچڑ ٹھونسنا غلبۂ محبت حق ہی کی وجہ سے تھا جس سے فرعون کے ساتھ بغض فی اللہ بدرجۂ غلبہ پیدا ہو گیا کیونکہ جب وہ ڈوبنے لگا تو کہنے لگا آمنت بالذی آمنت بہ بنو اسرائیل وانا من المسلمین حضرت جبریل علیہ السلام کو غصہ آیا کہ کمبخت نے ساری عمر تو خدائی کا دعویٰ کیا اب مرتے ہوئے ایمان لاتا ہے وہ اس کمبخت کیلئے رحمت کو گوارا نکرتے تھے اسلئے منہ میں کیچڑ ٹھونسدیا تاکہ زبان سے پوری طرح بات نہ نکل سکے مبادا کہیں رحمت متوجہ ہو جائے چنانچہ ترمذی کی روایت میں خود حضرت

جبرئیل علیہ السلام کا ارشاد منقول ہے فادسہ فی فیہ مخافۃ ان تدرکہ الرحمۃ (کذا فی جمع الفوائد)
اور اگر اسپر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضرت جبرئیلؑ نے ایک شخص کو اسلام سے روکا حالانکہ
اسلام سے روکنا جائز نہیں سو اس کا علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام
کو معلوم تھا کہ عذاب دیکھنے کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی حق تعالیٰ فرماتے ہیں فلم یک
ینفعھم ایمانھم لما رأوا بأسنا تو وہ اسلام سے نہ روکتے تھے صورت اسلام سے روکتے
تھے جس پر گو رحمت فی الآخرۃ مرتب نہیں ہوتی مگر رحمت فی الدنیا متوجہ ہو سکتی ہے جیسے
منافقین صورت اسلام کے سبب قتل واسر سے محفوظ رہے اسی طرح احتمال تھا کہ وہ بھی
غرق واہلاک سے بچ جاتا۔ پھر اسپر اگر کوئی سوال کرے کہ اس آیت میں بأسنا سے مراد
عذاب دنیا تو ہے نہیں کیونکہ عذاب دنیا کی رویت قبل انکشاف آخرت قبول ایمان سے
مانع نہیں اور ظاہراً یہاں عذاب آخرت کا انکشاف نہ ہوا تھا ورنہ دنیا کی طرف کا احساس
بالکل باطل ہو جاتا۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ مسلم نہیں بلکہ انکشاف آخرت کے بعد بھی ادہر کا
احساس باقی رہنا ممکن ہے چنانچہ بعض محتضرین کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں
نے فرشتوں کو بھی دیکھا اور اسکی ساتھ اپنے گھر کی عورتوں کو بھی پہچانا چنانچہ گھر والوں سے
کہا کہ فرشتے بیٹھے ہیں تم ان سے پردہ کرو تو ابتداء انکشاف کے ساتھ ادہر کا ہوش رہ سکتا
ہے اور فرعون کے واقعہ سے ظاہراً بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جسوقت ایمان ظاہر کیا ہے
اُسوقت اسکو انکشاف آخرت کیساتھ دنیا کے بھی ہوش تھے چنانچہ اُس کا قول آمنت
بالذی آمنت بہ بنوا اسرائیل بتلا رہا ہے کہ اسوقت بنی اسرائیل کا حق پر ہونا اور اُنکا
مؤمن ہونا اُسکے خیال میں تھا اور یہ دنیا کا واقعہ ہے تو اُسکو ادہر کے ہوش ضرور تھے لیکن
اوپر معلوم ہو چکا کہ یہ انکشاف عذاب آخرت کی ساتھ جمع ہو سکتا ہے پس اس دلیل سے
انکشاف آخرت کی نفی نہیں ہو سکتی اور انکشاف مانع ہے قبول ایمان سے پس اشکال رفع
ہو گیا اب یک سوال رہگیا کہ جب حالت مانع ہو قبول ایمان سے اور ایمان نام ہے تصدیق کا اور وہ
بعد انکشاف آخرت کے مقبول نہ تھی اگرچہ زبان سے تلفظ کیا جاوے پھر تلفظ سے ورکنے سے کیا فائدہ ہوا
اور اگر زبان سے اقرار کرنا کسی درجہ میں مفید بھی مان لیا جاوے تو اقرار کا قصد بھی کافی ہونا چاہئے اگرچہ کسی عذر سے عجز ہو گیا ہو

اور یہاں عجز ہوگیا کیچڑ کی وجہ سے تو وہ اقرار مفید متحقق ہوگیا پھر کیچڑ ٹھونسنے سے کیا فائدہ ہوا سو
اسکا جواب وہی ہے جو اوپر گذرا کہ جبریل علیہ السلام نے ظاہری رحمت کو بھی اسلئے لئے گوارا نہیں
کیا اگرچہ رحمت ظاہری کا ایک گونہ ظہور تعبش کو محفوظ رکھنے سے ہوگیا جیسا کہ ارشاگ فالیوم
ننجیک ببدنک الآیہ مگر اسپر بھی ایک سوال ہے کہ اسی ظاہری رحمت میں انکا کیا حرج تھا اسکا جواب
وہی ہے جسکو میں ذکر کر رہا ہوں کہ اس فعل کا منشا غلبۂ بغض فی اللہ تھا اسمیں یہی
گوارا نہ ہوا اور مبغوض حق سے ایسا بغض بدون غلبۂ عشق حق کے ہو نہیں سکتا اسی طرح
پر حدیث سے معلوم ہو گیا کہ ملائکہ میں محبت عشقیہ ہے اور شیطان میں یہ محبت نتھی اسلئے
وہ کمبخت سجدہ نکرسکا پس محبت کا ہونا ضروری ہوا بغیر محبت کے نری طاعات وعبادات
وعلوم کافی نہیں کیونکہ ان کا بھروسہ کچھ نہیں لیکن یہ ضرور نہیں کہ محبت طبعی ہی کا غلبہ
ہو بلکہ محبت عقلی کا غلبہ بھی کافی ہے باقی محققین کا اسمیں اختلاف ہے کہ کونسی محبت
افضل ہے سو یہ ایک مستقل مسئلہ ہے مگر میری رائے یہ ہے کہ محبت عقلی راجح ہے
کیونکہ محبت طبعی اختیاری نہیں اُس کا حدوث وبقار بالکل غیر اختیاری ہے اور
امر غیر اختیاری پر بعض اوقات دوام نہیں ہوتا بخلاف محبت عقلی کے کہ اسکا حدوث
وبقار اختیاری ہے تو اُس پر دوام بھی ہوتا ہے اسپر میں ایک واقعہ سناتا ہوں جس سے
معلوم ہوگا کہ محبت عقلی طبعی سے راجح ہے ایک واقعہ میں پہلے بھی کسی بیان میں بتلا
چکا ہوں وہ یہ کہ میرے پاس ایک دن میں چند خطوط آئے تھے جنکی شان خط ایک
تھی اور مضمون بھی قریب تھا اور سب میں ہدیہ دینے کے متعلق اطلاع تھی کہ ہم
کچھ ہدیہ پیش کرنا چاہتے ہیں اگر اجازت ہو۔ مگر ہر خط میں رقم کی مقدار مختلف تھی اس اختلاف
کے سوا اور سب باتیں یکساں تھیں اگر میں نے ہدیہ کے متعلق کچھ معمولات مقرر نکئے ہوتے
تو خوش اخلاقی سے لکھدیتا کہ ہاں بھیجدو مگر میں بدون انشراح واطمینان کے ہدیہ قبول
نہیں کرتا اسلئے میں نے لکھا کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ میرے پاس ایک ہی دن
کی ڈاک میں اس مضمون کے چند خط آئے ہیں جو سب ایک ہی جگہ سے روانہ ہوئے اور
یکساں شان خط ہے اور مضمون بھی قریب قریب ہے تو کیا مشورہ اور کمیٹی کر کے یہ
خطوط لکھے گئے ہیں اگر واقعی ایسا ہوا ہے تو اس صورت میں یہ ہدیہ میں قبول نہیں کرسکتا

اس جواب کے بعد اور تو سب ندارد ہو گئے کسی نے بھی کچھ جواب نہ دیا مگر ایک شخص کا خط آیا اُس نے لکھا کہ یکساں خط اور یکساں مضمون ہونیکی وجہ یہ تھی کہ یہ گانوں ہے ہم لوگوں کو لکھنا آتا نہیں اور لکھنے والا گاہے گاہے ملتا ہے جب کوئی لکھنے والا دستیاب ہوتا ہے تو سب آدمی اُسی سے خطوط لکھوا لیتے ہیں یہ بات تو معقول تھی جو میرے معمول کے خلاف نہ تھی مگر اخیر میں ایک مضمون ایسا لکھا جو میرے معمول کا مؤید تھا وہ یہ کہ اُس نے یہ بھی لکھا کہ ”لیکن اور سب کا یا تو جوش ختم ہو گیا یا رقم باقی نہیں رہی اسلئے سب خاموش ہو کر بیٹھ رہے اور میرا جوش بھی باقی ہے اور رقم بھی محفوظ ہے میں پیچھا نہیں چھوڑونگا“ اب میرا ارادہ ہے کہ اس کا ہدیہ قبول کر لوں گا مگر اسوقت اتنا اور پوچھا ہے کہ تم مجکو ہدیہ کیوں دیتے ہو۔ تمکو مجھسے کیا نفع ہوا اور اخیر میں یہ بھی لکھدیا کہ دوسرے لوگوں کے جوش کی حالت دیکھکر اب تو تمکو معلوم ہوا کہ میرے معمولات صحیح ہیں اور یہ کہ میں نے یہ اصول کیوں مقرر کئے ہیں تو اس واقعہ میں آپنے دیکھ لیا کہ جوش تو چند روز میں ختم ہو گیا مگر محبت عقلی باقی رہی اور یہیں سے معلوم ہو گیا کہ ذکر میں جوش و خروش مطلوب نہیں ذاکرین اسکی کمی سے پریشان نہوا کریں کیونکہ جوش کا اکثر قاعدہ ہے کہ جب تک مطلوب حاصل نہیں ہوتا اُسی وقت تک رہا کرتا ہے حصول مطلوب کے بعد جوش نہیں رہا کرتا ہاں اگر مطلوب سے تعلق رہے تو بجائے شوق کے اُنس پیدا ہو جاتا ہے پس اس کا کم ہونا محرومی کی علامت نہیں بلکہ وصول کی علامت ہے شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی ذاکر نے شکایت کی کہ حضرت اب وہ پہلا سا جوش نہیں رہا تو فرمایا کہ تمکو خبر بھی ہے ”پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے“ اور ظاہر ہے کہ محبت تو ماں کے ساتھ بھی ہوتی ہے مگر اسمیں جوش نہیں ہوا کرتا۔ پرانی جورو کے اماں ہونے پر ایک سرحدی نواب کی حکایت یاد آئی بڑھاپے میں اُنکی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا تو حاکم ضلع تعزیت کیلئے گیا اور کہا نواب صاحب ہمکو اس کا بہت افسوس ہے کہ آپ کا بیوی مر گیا انگریزوں کی اردو کھڑی بولی ہوتی ہے جسمیں مؤنث کو مذکر بولا جاتا ہے حتیٰ کہ انگریزی خوانوں کے سب کام بھی کھڑے ہونے لگتے ہیں کسی گنوار کا لڑکا انگریزی پڑھتا تھا ایک دفعہ لوگوں نے پوچھا

کہ میاں آجکل تمہارا لڑکا کونسی جماعت میں ہے کتنا پڑھ گیا ہے تو گنوار کہتا ہے کہ جی وہ تو بہت پڑھ گیا اب تو کھڑا کھڑا موتنے بھی لگا ہے بس تھوڑی ہی سی کسر ہے شاید وہ کسر یہ ہو کہ کھڑا کھڑا ہگنے بھی لگے تو اس گنوار نے انگریزی کا خلاصہ خوب نکالا کہ کھڑے کھڑے سب کام کرنے لگے غرض نواب صاحب سے کلکٹر صاحب ان کی بیوی کے مرنے پر جو رنج ظاہر کیا تو وہ رونے لگے اور کہا کلکٹر صاحب" وہ ہمارا بیوی نہیں تھا اماں تھا ہمکو روٹی کھلاتا نہایتا کہا جھلتا تھا" واقعی یہ کام تو پرانی ہی بیوی کرتی ہے نئی دولہن سے یہ کام کہاں ہو سکتے ہیں وہ تو اپنے نخروں اور چوچلوں ہی میں رہتی ہے مگر یہ سب چار دن کی باتیں ہیں سال دو سال کے بعد سب کا جوش ختم ہو جاتا ہے اور بقول مولانا کے پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے سو ذکر کی یہی حالت ہے کہ اسمیں اول ہی اول جوش وخروش ہوتا ہے پھر سکون ہو جاتا ہے اسلئے محبت طبعی سے عقلی انفع ہے کیونکہ محبت طبعی کا منشا جوش طبیعت ہے اور جوش ہمیشہ نہیں رہا کرتا اور محبت عقلی بناء علی الکمالات ہوتی ہے تو جب تک کمالات باقی ہیں اُسوقت تک محبت بھی رہیگی اور محبوب حقیقی کے کمالات ختم نہیں ہو سکتے تو انکی محبت بھی ختم نہوگی اب یہاں سے واعظین کی غلطی معلوم ہو گئی کہ وہ اپنے وعظوں میں اس قسم کے مضامین بیان کیا کرتے ہیں کہ افسوس ہے مسلمانوں کو خدا پر اتنا توکل بھی نہیں جتنا ایک دوست پر بھروسہ ہوتا ہے اگر ایک دوست یہ کہدے کہ شام کو تمہاری دعوت ہے تو فوراً چولہا ٹھنڈا کر دیں گے اور خدا تعالیٰ فرماتے ہیں وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا مگر خدا کے وعدہ پر ایسا اطمینان نہیں ہوتا یہ اُنکی غلطی ہے اسلئے کہ دوست کی دعوت پر اسواسطے چولہا ٹھنڈا کیا جاتا ہے کہ اُس نے وقت کی تعیین کر دی تھی کہ شام کو دعوت ہے اور تعیین میں یہ خاصہ طبعی ہے اور خدا تعالیٰ کا وعدہ مطلق ہے کسی وقت کی اسمیں تعیین نہیں ہے اگر یہاں بھی تعیین ہوتی تو کوئی مسلمان ہرگز چولہا گرم نکرتا یہاں اہل توکل کو بھی عقلی توکل ہے اسی طرح یہ واعظین یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو غیر خدا سے تو خوف ہے حاکم کا ڈر ہے شیر کا اور سانپ بچھو کا ڈر ہے مگر خدا کا ایسا خوف

نہیں ہے۔ یہ بھی اُنکی غلطی ہے کیونکہ ان اشیاء سے طبعی خوف ہے اور خدا تعالیٰ سے طبعی خوف ہونا ضروری نہیں بلکہ عقلی خوف ہونا چاہیے اور خوف عقلی خدا تعالیٰ سے ہر مسلمان کو ہے خوف عقلی کا حاصل یہ ہے کہ احتمال کے درجہ میں یہ خیال ہو کہ شاید مجھے سزا ہو۔ یہ ایسا خوف ہے کہ اسکی ساتھ رجا بھی ہے کیونکہ جسکو یہ احتمال ہوگا کہ شاید مجھے سزا ہو اُسکو یہ احتمال بھی ہوگا کہ شاید بدون سزا ہی کے مغفرت ہو جائے یہ رجا ہے۔ اور ایمان اسی کا نام ہے کہ خوف بھی ہو رجا بھی ہو اور یہاں سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ حق تعالیٰ نے انبیاء کی بابت فرمایا ہے یخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ کہ وہ خدا سے ڈرتے ہیں اُسکے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں آیا ہے کہ وہ اژدہا سے ڈر گئے تھے جواب یہ ہے کہ وہ خوف طبعی تھا اور نص میں خوف عقلی مراد ہے اور خوف عقلی انبیاء کو خدا کے سوا کسی سے نہیں ہوتا کیونکہ اُن کا اعتقاد یہ ہے وما ھم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ کہ بدون خدا کے حکم کے کوئی چیز ضرر نہیں دیسکتی وہ ضار و نافع حق تعالیٰ ہی کو سمجھتے ہیں۔ اسی طرح کاملین کو حب عقلی خدا کے سوا کسی سے نہیں ہو سکتی کیونکہ اُس کا مبنا کمالات پر ہے اور خدا تعالیٰ کے سوا کسی میں بھی بالذات کمالات نہیں ہیں ہاں حب طبعی یعنی عشق غیر خدا سے بھی ہو سکتا ہے اور خدا تعالیٰ کیساتھ جس محبت کا امر ہے وہ حب عقلی ہے نہ کہ طبعی۔ اسی لئے نصوص میں حب طبعی عشق کا عنوان کہیں مذکور نہیں ہے بلکہ جابجا حب کا ذکر ہے۔ مگر ایک غالی نے قرآن میں بھی لفظ عشق کا دعوی کیا ہے کہنے لگا کہ حم عسق میں عشق کا ذکر ہے اصل میں یہ لفظ عشق ہی تھا مگر نعوذ باللہ نعوذ باللہ چونکہ حضور امی تھے آپ سے شین نہیں نکل سکتا تھا اسلئے حق تعالیٰ نے آپکی رعایت سے سین بولا۔ مگر اس احمق سے کوئی پوچھے کہ سارے قرآن میں جو شین کا استعمال ہوا ہے یہ کیسے اترا ہے اگر حضور شین نہیں نکال سکتے تھے تو اور جگہ شین کا استعمال کیوں ہوا۔ ایک صاحب نے کہا کہ نہیں یہ وجہ تو نہیں بلکہ شین کے نقطے اسلئے اڑا دیئے تاکہ مولویوں کو پتہ نہ چلے کہ یہ عشق کا ذکر ہے سبحان اللہ! اگر یہ وجہ تھی تو حق تعالیٰ نے تم جیسے بھانڈ اپھوڑوں کو یہ راز کیسے بتلا دیا اگر یہ وجہ ہوتی تو حق تعالیٰ ایسے لوگوں کو یہ راز بتلاتے

جو مولویوں پر اسکو ظاہر نکرتی اور جب تمنے اس راز کو مولویوں تک پہونچا دیا ہے تو لازم آیا کہ
خدا نے ایک بات کو چھپانا چاہا تھا مگر وہ چھپ نہ سکی اور یہ محال ہے اسلئے تمہارا یہ نکتہ
بھی غلط ہے غرض یہ جاہلوں کے نکتے ہیں جنکے سر نہ پاؤں سو اسطرح تحریف کر کے اگر عشق
کا ثبوت دیا جائے تو اس کا تو علاج نہیں ورنہ نصوص میں عشق کا کہیں ذکر نہیں اس سے
معلوم ہوا کہ حب طبعی مطلوب نہیں بلکہ حب عقلی مطلوب ہے بس یہاں سے اُن سالکین
کی غلطی معلوم ہوگئی جو تربیت میں مختلف لوگوں کے حالات غلبہ خوف و بکا کو دیکھکر افسوس
کیا کرتے ہیں کہ ہمکو ایسے ایسے حالات نہیں ہوتے رونا نہیں آتا تو وہ سنلیں کہ یہ طبعی گریہ
ہے جو بعض کو پیش آتا ہے اور یہ مطلوب نہیں مطلوب عقلی گریہ ہے اور وہ تمکو بھی حاصل
ہے کیونکہ نہ رونے پر افسوس ہونا یہ خود گریہ ہے (ایس میں افسوس کو تو منع نہیں کرتا بلکہ
اس افسوس سے اپنی محرومی کے اعتقاد کو منع کرتا ہوں سو تم اپنے کو محروم نہ سمجھو بلکہ اس
افسوس کے ہونے سے شکر کرو کہ عقلی گریہ تمکو حاصل ہے ۱۲) بہرحال میرے نزدیک حب
9 طبعی سے حب عقلی راجح ہے اور اسکا یہ مطلب نہیں کہ حب عقلی والوں میں حب طبعی نہیں
ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ غلبہ حب عقلی کو ہوتا ہے باقی جنپر حب عقلی کا غلبہ ہوتا ہے
بعض اوقات انمیں محبت طبعیہ بھی اُن لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے جنپر محبت طبعیہ کا
غلبہ ہے مگر وہاں محبت طبعیہ پر حب عقلی غالب ہوتی ہے اسلئے اکثر جوش دبا رہتا ہے
لیکن گاہے گاہے کاملیں پر بھی حب طبعی کا غلبہ ہو جاتا ہے اور یہی اسکی دلیل ہے کہ ان میں
بھی طبعی محبت ہے مگر حب عقلی کے غلبہ نے اسکو دبا رکھا تھا احادیث سے معلوم ہوتا ہے
کہ بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی غلبۂ حال ہوا ہے واقعۂ بدر کے متعلق آیا ہے
کہ اسدن حضور صلے اللہ علیہ وسلم عریش میں مسلمانوں کی فتح کیلئے دعا فرما رہے تھے
کہ اے اللہ ان مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ دے پھر فرمایا اللھم ان تھلك ھذہ العصابۃ
لم تعبد بعد الیوم ابدا الٰہی اگر یہ مختصر جماعت ہلاک ہوگئی تو آج کے بعد سے دنیا میں کوئی
آپکا نام نہ لیگا۔ بتلائیے یہ کیا تھا غلبۂ حال و دلال نہ تھا تو اور کیا تھا بہرحال کاملین
تو حب عقلی و طبعی دونوں کے جامع ہوتے ہیں مگر انمیں غلبہ عقلی کو ہوتا ہے اور ناقصین

میں حب طبعی کو غلبہ ہوتا ہے اور یہ گو کمال مطلوب نہیں مگر محمود ضرور ہے اور جو دونوں سے کورا ہو وہ خطرہ میں ہے مولانا فرماتے ہیں مصرعہ۔

تا فرشتہ لا نشد اہریمنے ست

لا نشد کے معنی ہیں فانی نشد۔ اور فانی سے مراد صاحب محبت ہے کیونکہ فنا محبت ہی سے حاصل ہوتی ہے بدون محبت کے طاعات وعبادات کی صورت تو متحقق ہو سکتی ہے مگر فناء نفس حاصل نہیں ہو سکتا اور بدون فناء نفس کے طاعات کی حقیقت نہیں متحقق ہوتی جس پر وصول موقوف ہے حافظ فرماتے ہیں ؎

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست　　تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

انسان خود ہی حجاب ہو رہا ہے ورنہ حق تعالیٰ تو اتنے قریب ہیں کہ بس تمہیں حاجب ہو اور کوئی مسافت حاجب نہیں اپنے اوپر نظر کرنا چھوڑ دو اپنے کو نیست ونابود سمجھو تکبر کو دماغ سے نکالدو حق تعالیٰ کے احکام میں منازعت نکرو بس واصل ہو گئے اسی لئے حضرت بایزید نے جب خواب میں حق تعالیٰ کو دیکھا اور عرض کیا دلنی علی اقرب الطرق الیک تو جواب ارشاد ہوا یا بایزید دع نفسک وتعال یعنی اپنے آپ کو چھوڑ کر چلے آؤ۔ یعنی خودی وخود بینی کو چھوڑ کر۔ اور تجربہ ومشاہدہ ہے کہ خودی وخود بینی محبت ہی سے نکلتی ہے اسکے بغیر بہت کم نکلتی ہے اسی لئے عراقی طریق محبت کی تمنا کرتے ہیں

؎ صنما رہ قلندر سزد ار بمن نمائی　　کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

رہ قلندر سے طریق عشق مراد ہے اور رسم پارسائی سے طریق عبادت رسمی مطلب یہ ہے کہ طریق عبادت رسمی بہت دور دراز ہے اسمیں وصول دیر سے ہوتا ہے کیونکہ خودی دیر سے نکلتی ہے فنا جلدی نصیب نہیں ہوتا اسلئے ہر وقت خطرہ ہے اور طریق عشق سے بہت جلد فنا حاصل ہو جاتی ہے شیطان اسی لئے مردود ہوا کہ اسکو فناء نفس حاصل نہ تھی کیونکہ محبت سے کورا تھا۔ اور ملائکہ میں محبت تھی اسلئے وہ فوراً سجدہ میں گر پڑے کیونکہ وہاں نفس نہ تھا اور ملائکہ سے زیادہ انسان میں محبت ہے اسی لئے یہ امانت کا حامل ہوا جسکو حق تعالیٰ فرماتے ہیں انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال الخ

والانسان ایضًا فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان ۔ ہمنے (اپنی)
امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا یعنی اور انسان پر بھی پیش کیا جسکا
قرینہ یہ ہے کہ آگے حملہا الانسان آرہا ہے اور ظاہر ہے کہ بدون عرض کے وہ حامل
امانت نہو سکتا تھا اسلئے یہ ماننا لازم ہے کہ عرض میں انسان بھی دوسروں کیساتھ
تھا مگر چونکہ آگے حمل میں اُس کا ذکر آرہا ہے اسلئے یہاں بیان کی ضرورت نتھی اور
یہی جواب اس اشکال کا ہے کہ بعض لوگوں نے واذ قلنا للملئکۃ اسجدوا لآدم
فسجدوا الا ابلیس ۔ پر شبہ کیا ہے کہ شیطان کے مردود ہونیکی وجہ کیا ہے اسکو
تو سجدہ کا حکم ہوا ہی نہیں بلکہ واذ قلنا للملئکۃ اسجدوا سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ
حکم صرف ملائکہ کو ہوا تھا ۔ معلوم ان صاحبوں کو شیطان کیساتھ اتنی ہمدردی کیوں ہے
شاید کبھی رات کو ہمبستر ہوئے ہوں گے جواب اشکال کا یہ ہے کہ عدم ذکر ذکرِ عدم کو
مستلزم نہیں اور یہاں اُسکے ذکر کی اسلئے ضرورت نتھی کہ آگے الا ابلیس میں اُس کا
ذکر آرہا ہے یہ اس کا قرینہ ہے کہ وہ بھی مخاطب تھا بلاغت کا قاعدہ ہے کہ جب ایک
چیز کا ذکر آگے موجود ہو تو کلام سابق میں اکتفاءً باللاحق اُس کا ذکر نہیں کیا کرتے جیساکہ
یہاں عرض امانت میں انسان کا ذکر اسلئے نہیں ہوا کہ آئندہ حملہا الانسان میں اُس کا
ذکر موجود ہے یہ جواب اس اشکال کا بہت سہل ہے اسمیں استثناء متصل و منفصل کی
بحث کی ضرورت نرہے گی بلکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ ابلیس کا ذکر کلام سابق میں ایجازًا
محذوف ہے اور تقدیر کلام اس طرح تھی واذ قلنا للملئکۃ وللابلیس اسجدوا
لآدم ۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ حق تعالیٰ نے اپنی امانت آسمانوں اور
زمین اور تمام مخلوقات پر پیش کی امانت سے مراد احکام تکلیفیہ ہیں جنکی ساتھ یہ شرط
بھی تھی کہ اگر امتثال ہوا تو ثواب ملے گا اور نافرمانی پر عذاب ہوگا عذاب کو سنکر سب
ڈر گئے مگر انسان نے ہمت کی اور تحمل کیلئے آمادہ ہو گیا محققین نے لکھا ہے کہ اور مخلوق
میں عشق کا مادہ نتھا انسان میں عشق کا مادہ تھا یہ خطاب الٰہی کی لذت سے مست ہو گیا
اور اس لذت کیلئے اُس نے احتمال عذاب کی بھی پرواہ نکی اور کہدیا کہ حضرت یہ امانت مجھے

دیجائے میں اس کا تحمل کروں گا بس وہی مثل ہوئی کہ چڑھ جا بیٹے سولی پر اللہ بھلی کریگا۔ اس نے سوچا کہ جس امانت کی ابتدا یہ ہے کہ کلام وخطاب سے نوازے گئے اگر اسکو لیلیا تو پھر تو روز کلام وسلام وپیام ہوا کریگا بس ایک سلسلہ چلتا رہے گا کہ آج کوئی حکم آرہا ہے کل کو دوسرا آرہا ہے کبھی عنایت ہے کبھی عتاب ہے تو اس چھیڑ میں بھی بڑا مزہ ہے ؎

چھیڑ خوبوں سے چلی جائے اسد　　گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

عارف شیرازی رحمۃ اللہ نے بھی حمل امانت کا راز یہی بتلایا ہے کہ اس کا منشا محبت کی دیوانگی تھی فرماتے ہیں ؎

آسمان بار امانت نتوانست کشید　　قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

بعض لوگوں نے اس راز کو قرآن سے بھی ثابت کرنا چاہا ہے انھوں نے انہ کان ظلوما جھولا کو اسی پر محمول کیا ہے اور اسکو مدح کہا ہے چنانچہ بعض صوفیہ نے ظلوما کی تفسیر میں لکھا ہے اسکے معنی ظلوم لنفسہ ہیں مطلب یہ ہے کہ انسان میں فنا نے نفس کی صفت تھی مگر میں اس تفسیر کو نہیں مانتا کیونکہ ظلم لنفسہ بھی تو شریعت میں محمود نہیں بلکہ مذموم ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے کفار کے باب میں فرمایا ہے کانوا انفسھم یظلمون تو کیا وہ بھی فانی تھے؟ مگر آجکل ایک جماعت نکلی ہے جو نفس کی دشمن ہے کہتے ہیں کہ اسکو خوب مارو اسپر خوب ظلم کرو اور اس سے بڑھکر یہ کہ اسکو کافر بھی کہتے ہیں حالانکہ سارے بدن میں اگر تلاش کرو تو مومن یہی نکلے گا تو حضرت آپ نفس کو کافر کہکر خود اپنے ہی کو کافر کہتے ہیں پھر تمہارا کیا اعتبار۔ پس نفس پر ظلم کرنا یہ کچھ تصوف نہیں ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا تصوف تو یہ ہے ان لنفسک علیک حقا وان لعینک علیک حقا وان لجسدک علیک حقا نفس کے بھی تمہارے ذمہ حقوق ہیں انکو ادا کرنا چاہیئے یہ نہیں کہ بس ظلم ہی پر کمر باندھ لو بلکہ اسکی ساتھ بچے کا سا معاملہ کرو کہ بچوں سے جب کوئی کام لینا ہوتا ہے تو اول اسکو مٹھائی وغیرہ دیکر بلاتے ہیں اگر اس سے نہ مانے تو دھمکی سے کام لیتے ہیں اگر اس سے بھی نہ مانے تو پس وہ بیت دہ جیسا صاحب

قصیدہ بردہ فرماتے ہیں ؎

النفس کالطفل ان تہملہ شب علی حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم

بس اسکے حظوظ کو تو پورا نکرو باقی حقوق ادا کرتے رہو خوب کھلاؤ پلاؤ اور اچھی طرح کام لو
ع کہ مزدور خوش دل کند کار بیش ۔ ہاں جب کسی طرح باز نہ آئے تو اسے سزا دو مگر
خود سزا ندو بلکہ کسی کے حوالہ کرو وہ مناسب سزا تجویز کرے گا ؎

فکر خود ورای خود در عالم رندی نیست کفرست درین مذہب خود بینی و خود رائی

ورنہ جو لڑکا اپنے ہاتھ سے اپنے چپت مارے گا وہ تو آہستہ ماریگا اور محقق سزا کافی
دے گا مگر حقوق تلف نکریگا۔ بہر حال نفس کو کافر کہنا گویا اپنے کو کافر کہنا ہے شاید
یہ لوگ تواضعًا اپنے نفس کو برا بھلا کہتے ہیں مگر ایسی بھی کیا تواضع ہے کہ مسلمان سے
کافر بنگئے بعض کی تواضع بھی الٹی ہوتی ہے جیسے ایک شخص کا نام نتھو تھا جب کوئی
اس سے نام پوچھتا تو وہ تواضعًا کہا کرتا تھا کہ میرا نام ہے آخ تھو کہنے کا گو شیخ نتھو اور
جیسے ایک دو جنٹلمین بھی ریل میں ملے تھے بڑے ہی شریر تھے انھوں نے ایک منصف
صاحب کا مذاق اڑا رکھا تھا جب کھانا کھانے بیٹھے تو ایک نے کہا منصف صاحب
آئیے آپ بھی کچھ گوہ موت کھا لیجئے تو دوسرا کہتا ہے توبہ کرو توبہ ۔ تم کھانیکو گوموت
کہتے ہو تو وہ جواب دیتا ہے کہ اپنے کھانے کو کھانا کہنا تکبر ہے اسکو اس حیثیت سے کہ ہمارا ہے
گوموت ہی کہنا چاہیے غرض ہمارے غیر منصف جمع تھے سب نے ملکر منصف صاحب کا
اچھا خاکہ اڑایا تو جیسے ان لوگوں کی تواضع تھی ایسی ہی ان صوفیوں کی تواضع ہے
جو نفس کو کافر کہتے ہیں اور نفس پر ظلم کرنے کو اچھا سمجھتے ہیں مگر ہمارے نزدیک یہ سب
غلو ہے البتہ اگر یہ کسی مغلوب الحال سے منقول ہو تو وہ معذور ہوگا مگر اسکی تقلید نکی جائیگی
اسی طرح ان لوگوں نے جہول کی تفسیر کی ہے کہ یہ بھولا نادان ہے اپنی مضرتوں سے بیخبر ہے
اسلئے تحمل امانت پر آمادہ ہوگیا۔ مگر یہ تفسیر بھی غلط ہے کیونکہ آگے حق تعالیٰ نے ظلوم
وجہول کے آثار کی تفصیل فرمائی ہے لیعذب اللہ المنافقین والمنافقات و
المشرکین والمشرکات اگر حق تعالیٰ نے ظلوما جہولا میں انسان کی مدح ہے اور

ایسا ہونا ممدوح ہے تو آگے تفصیل میں یہ منافقین وکفار پر عتاب ولعنت وعذاب کیوں مذکور ہے اسلئے یہ تفسیر بھی صحیح نہیں پس قرآن سے تو یہ مسئلہ مستنبط نہیں ہو سکتا لیکن عارفین کے قول سے یہ بات ثابت ہے کہ منشا تحمل امانت کا غلبۂ محبت وعشق تھا اس سے معلوم ہوا کہ انسان میں یہ صفت سب سے زیادہ ہے یہ ملائکہ سے بھی اس باب میں بڑھا ہوا ہے مگر انفع یہی ہے کہ طبعی محبت عقلی سے مغلوب ہونا چاہیئے لیکن اگر کبھی بلا اختیار عقلی مغلوب ہوا اور طبعی غالب ہو تو گو ایسا شخص مقتدا تو نہ ہوگا مگر قابل ملامت بھی نہ ہوگا بلکہ معذور ہوگا اسی جماعت مغلوبین معذورین میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو اہل ظاہر کہلاتے ہیں جنکے نزدیک جمع بین النوعین من التمر کا وہی حکم ہے جو جمع بین الاختین کا پس وہ بھی غلبۂ محبت طبعی سے معذور ہیں اسی طرح ایک غیر مقلد کی حکایت ہے کہ انکے نواح میں سخت قحط ہوا لوگوں نے گھر باہر بیچ بیچ کر کھا لیا ان غیر مقلد صاحب کے یہاں ایک گائے تھی جسکے دودھ میں خدا تعالیٰ نے برکت دے رکھی تھی زمانہ قحط میں ان کا گھر بھر اسکے دودھ سے گذارا کرتا تھا اسلئے زیادہ پریشانی نہوئی جب قحط رفع ہوا تو کسی مہمان نے ان غیر مقلد صاحب سے پوچھا کہ تمنے کیونکر گذر کیا بیوی بول پڑی ہیں تو اللہ نے ایک گائے دے رکھی تھی اسکے دودھ سے سب گذر گیا غیر مقلد صاحب سنتے ہی غصہ میں بھر گئے اور بیوی سے بولے کہ تو نے خدا کو چھوڑ کر گائے پر نظر کی اور یہ کہکر گائے کے گلے پر چھری پھیر دی تو گو ہمارے نزدیک یہ بات تشدد اور غلو میں داخل ہے کیونکہ مسلمان کوئی بھی گائے کو رازق نہیں سمجھتا بلکہ ایک ظاہری سامان سمجھتا ہے اور رازق حقیقی خدا ہی کو سمجھتا ہے چنانچہ اس عورت نے بھی اس حقیقت کو اس طرح ظاہر کر دیا تھا کہ ہمکو تو خدا تعالےٰ نے ایک گائے دیدی تھی مگر پھر بھی ہم انکے اس فعل کی قدر کرتے ہیں کہ اسوقت انپر مذاق توحید غالب تھا اسلئے اتنی بات بھی ناگوار ہوئی کہ گذارہ کا سبب گائے کو بتلایا گیا ایسی حالت میں وہ معذور تھے گو وہ لوگ ہمکو برا کہیں مگر ہمتو جو بات قابل قدر ہوگی اسکی قدر ہی کرینگے کیونکہ ہمارے یہاں تو انصاف ہے اور ان کے یہاں ان صاف ہے یعنی صفائی منفی ہے۔ اسی لئے ہم اہل ظاہر کی اس بات کی بھی قدر کرتے ہیں کہ جس حکم کی علت شارع

نہیں بتلائی وہ اسکی علت تلاش نہیں کرتے بلکہ ظاہر پر رکھتے ہیں مگر فقہا محققین نے قیاس سے ان احکام کی علل بیان کی ہیں اور چونکہ قیاس مظہر ہے نہ کہ مثبت اسلئے احکام قیاسیہ بھی ویسے ہی ہیں جیسے احکام منصوصہ ہیں وہ کالمذکور فی النص ہیں مگر یہ سنلو کہ ہر شخص کو علل بیان کرنیکا حق نہیں ہے بلکہ مجتہد کو حق ہے اور مجتہد کو بھی ہمیشہ حق نہیں بلکہ وہاں تعلیل کا حق ہے جہاں تعدیہ حکم کی ضرورت ہو اور جو امور تعبدی ہیں جنکا تعدیہ نہیں ہو سکتا وہاں قیاس کا مجتہد کو بھی حق نہیں اسی لئے فقہاء نے صلوٰۃ و صوم و زکوٰۃ و حج میں تعلیل نہیں کی کہ ان کی فرضیت کی بناء یہ ہے حتی کہ اگر یہ بنا کسی دوسرے طریقے سے حاصل ہو سکے تو دوسری صورت اختیار کرنا جائز ہو ہرگز نہیں بلکہ انھوں نے صاف کہدیا ہے کہ یہ امور تعبدیہ ہیں انکی علت بیان کرنا جائز نہیں۔ مگر آجکل ایک فرقہ نکلا ہے جسکو علل نکالنے کا بہت شوق ہے وہ تمام احکام کی علتیں نکالتے ہیں خواہ تعبدی ہوں یا غیر تعبدی انھوں نے ایک چیز ایجاد کی ہے جسکا نام فلاسفی ہے نہ معلوم یہ کونسا لغت ہے اسکا استعمال ان کے یہاں بہت سستا ہے بس ہر چیز کی فلاسفی نکالتے ہیں کہ نماز کی یہ فلاسفی ہے روزہ کی یہ فلاسفی ہے اور زکوٰۃ و حج کی یہ فلاسفی ہے انہی میں کے ایک صاحب مجھ سے ملے کہنے لگے کہ پانچ وقت نماز فرض ہونیکی کیا فلاسفی ہے میں نے کہا کہ آپکی ناک جو آگے لگی ہوئی ہے اسکی کیا فلاسفی ہے کہنے لگے کہ اچھی لگتی ہے اگر پیچھے ہوتی تو بدنما لگتی میں نے کہا اگر سبکی ناک پیچھے ہی ہوتی تو بھی اچھی لگا کرتی (پھر اگر محض اچھا لگنا بھی فلاسفی ہے تو یہی جواب ہمارا ہے کہ پانچ وقت کی نماز اللہ تعالیٰ کو اچھی لگتی ہے انکو پسند ہے اسلئے فرض کر دی ۱۲ جامع) علیگڈھ میں ایک صاحب مجھ سے ملے جو وہاں کالج میں پروفیسر اور عربی و انگریزی کے فاضل شمار ہوتے تھے مجھسے پوچھنے لگے کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جہاں زنا کی کثرت ہوتی ہے وہاں بیماری وبا وغیرہ پھیل جاتی ہے یہ سمجھ میں نہیں آیا میں نے کہا کیا حدیث کا مدلول سمجھ میں نہیں آیا یا وجہ ربط درمیان جنایت وعقوبت کے سمجھ میں نہیں آئی کہنے لگے مدلول تو ظاہر ہے وجہ ربط سمجھ میں نہیں آئی میں نے کہا پھر ضرر کیا ہوا کہنے لگے ضرر کچھ نہیں ہوا لیکن معلوم ہوتے سے نفع ہوتا میں نے کہا کیا نفع کہنے لگے اطمینان میں نے کہا اطمینان کے

نافع ہونے کی کیا دلیل کہنے لگے اگر اطمینان نافع نہ ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اسکی درخواست نکرتے لیطمئن قلبی ہیں میں نے کہا اسکی کیا دلیل کہ جو چیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے نافع ہو وہ آپ کیلئے بھی نافع ہو اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ایسی طمانیت نافع ہے تو جس سے ابراہیم علیہ السلام نے طمانیت کا سوال کیا تھا اُسی سے آپ بھی کر لیجئے اب آگے اُنکو اختیار ہے چاہے آپ کی تسلی کریں یا نکریں اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ علمار کے ذمہ بھی یہ ضروری ہے کہ لوگوں کی تسلی اور اطمینان کیا کریں ان کے ذمہ تو محض تبلیغ احکام ہے اور بس ۱۲) اس جواب سے وہ خاموش ہو گئے پھر میں نے یہ بھی کہدیا کہ اس جواب سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ علمار کو یہ مسائل معلوم نہیں علمار کو بحمد اللہ اسرار شریعت بہت کچھ معلوم ہیں مگر ہم آپ کو نہیں بتلاتے

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز　　ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست

گو اسمیں نظاہر ایک دعویٰ تھا مگر التکبر مع المتکبرین عبادۃ ایسے لوگوں کے ساتھ تواضع مناسب نہیں کیونکہ اس سے وہ علمار کو عاجز و لاجواب سمجھنے لگتے ہیں اسلئے میں نے کہدیا کہ ہمکو حکمت معلوم ہے جب وہ اٹھکر چلے گئے اور خاص احباب کا مجمع رہ گیا تب میں نے اسکی حکمت جو اپنے بزرگوں سے سنی تھی بیان کی بعض کو بڑا افسوس ہوا کہ وہ صاحب اگر یہ تقریر سن لیتے تو انکی تسلی ہو جاتی اور معلوم ہو جاتا کہ علمار کے پاس یہ علوم ہیں میں نے کہا ہرگز نہیں کیا میں اپنی لیاقت جتلانے کو مریض کا مرض بڑھا دیتا اُن کے مرض کا یہی علاج تھا کہ حکمت نہ بتلائی جائے کیونکہ یہ لوگ حکم یکسر ہی کو مقصود اور حکم بضم جار کو غیر مقصود سمجھتے ہیں اسکے متعلق ایک مضمون یاد آیا جسکو میں نے ایکبار بیان کیا تھا کہ جو لوگ احکام کی حکمتیں بیان کرتے ہیں وہ دین کی جڑ کھوکلی کرتے ہیں کیونکہ ممکن ہے کہ کسی وقت یہ حکم و مصالح کسی اور صورت میں زیادہ حاصل ہوں تو پھر حکم کو بیکار سمجھا جاویگا مثلاً نماز با جماعت کی حکمت آجکل یہ بتلائی جاتی ہے کہ شریعت مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنا چاہتی ہے اسلئے پانچ وقت کی جماعت مقرر کی تا کہ ہر محلہ کے آدمی اپنی اپنی مسجدوں میں باہم ملکر ایک دوسرے کی

حالت سے باخبر ہوں باہم سلام وکلام کریں تبادلۂ خیالات ہو معلوم یہ تبادلۂ خیالات
کیا بلا ہے پھر سارے شہر کے آدمیوں کو جمع کرنے کیلئے ہفتہ میں ایک بار جمعہ کی نماز
مقرر کیگئی کیونکہ روزانہ شہر بھر کے آدمیوں کا اجتماع دشوار تھا پھر اطراف وجوانب کے
دیہاتیوں کو جمع کرنے کیلئے سال بھر میں دو دفعہ عید کی نماز شروع ہوئی تاکہ دیہاتی
شہریوں سے ملکر تہذیب سیکھیں اور ضروریات سے باخبر ہوں پھر تمام دنیا کے آدمیوں کو
ایک جگہ میں جمع کرنے کیلئے عمر بھر میں ایک دفعہ حج فرض ہوا تاکہ ایک دفعہ سب
مسلمان تمام بلاد اسلام کے ایک جگہ میں جمع ہوکر تبادلۂ خیالات کریں اول تو اس
مدعی سے کوئی پوچھے کہ (اگر نماز جمعہ کی حکمت یہ ہے کہ سارے شہر کے آدمی ایک جگہ
جمع ہوں تو چاہیئے کہ جمعہ کی نماز ایک ہی مسجد میں ضروری ہو تعدد جمعہ جائز نہو حالانکہ
حنفیہ کا مفتی بہ قول جواز تعدد ہے نیز عیدین کی نماز میں جو حکمت بتلائی گئی ہے وہ
وہ جبھی حاصل ہوسکتی ہے جبکہ دیہاتیوں پر بھی عیدین کی نماز واجب ہو حالانکہ ۱۲)
دیہات والوں پر عیدین کی نماز کہاں واجب ہے) اور حج کے متعلق جو حکمت بتلائی گئی ۱۷
ہے وہ مشاہدہ کے بالکل خلاف ہے وہاں تبادلۂ خیالات سے اتفاق تو کیا ہوتا
ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں میں سفر حج سے پہلے اتفاق تھا وہاں جاکر راستہ میں
ایسے لڑتے ہیں کہ گھر پر کبھی نہ لڑے ہوں گے اسی لئے حق تعالیٰ نے حج میں خصوصیت
کے ساتھ جدال کو منع فرمایا ہے ولا جدال فی الحج اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس
سفر کو جدال میں کچھ دخل ضرور ہے جبھی تو خاص طور پر اس سے منع فرمایا (ورنہ لا
فسوق میں سب گناہوں کے ساتھ یہ بھی آگیا تھا تخصیص بعد تعمیم کی کوئی تو وجہ
ہے ۱۲) اور اگر یہ حکمت تسلیم بھی کرلی جائے تو اسپر بناء حکم کرنے میں یہ خرابی ہوگی کہ جو
شخص ان اعمال کو مقصود بالذات نہیں سمجھتا بلکہ ان حکمتوں کو مقصود سمجھتا ہے تو اگر
کبھی کسی عارض کے سبب نماز وحج وغیرہ سے یہ حکمتیں حاصل نہوں یا کم حاصل ہوں اور
کسی دوسری صورت سے بسہولت حاصل ہوتی ہوں اور کامل طور پر حاصل ہوں تو یہ شخص
نماز وحج کو چھوڑ کر اس دوسری صورت کے اختیار کو ترجیح دیگا اور اسمیں جو کچھ خرابی ہے

ظاہر ہے کہ اس سے احکام اسلام ہی کا انہدام ہو جائیگا پس جو لوگ یہ حکمتیں بیان کرکے اپنے کو حامی اسلام اور خیر خواہ اسلام کہتے ہیں اُنکی یہ خیر خواہی ایسی ہی ہے جیسے ریچھ کی دوستی کہ ایک شخص نے ریچھ کو تعلیم دیکر پنکھا جھلنا سکھا تھا جب آقا سو جاتا تو وہ اُسکو پنکھا جھلا کرتا لوگوں نے اسکو منع کیا کہ جانور کا کچھ اعتبار نہیں تم سوتے ہوئے اس سے خدمت نہ لیا کرو کہنے لگا واہ صاحب میرا ریچھ تعلیم یافتہ ہے کچھ خطرہ کی بات نہیں ایک دن یہ قصہ ہوا کہ ریچھ نے پنکھا جھلنا شروع کیا اس شخص کی ناک پر ایک مکھی آبیٹھی ریچھ نے اسکو اڑا دیا وہ پھر آبیٹھی بعضی مکھی بہت لیچڑ ہوتی ہے کتنا ہی اڑاؤ پیچھا ہی نہیں چھوڑتی بالآخر جب ریچھ اڑاتے اڑاتے تنگ ہو گیا تو غصہ میں ایک بڑا سا پتھر لایا کہ اب آوے گی تو پتھر سے ماروں گا وہ پھر آبیٹھی تو ریچھ نے تاک کر پتھر مارا مکھی تو معلوم مری یا نہیں مگر آقا کے دماغ کا بھرتہ ہو گیا دیکھیے اس بیچارہ نے بھی اپنے نزدیک تو آقا کی خدمت ہی کی تھی مگر نادان دوست کی دوستی کا یہ نتیجہ ہوا کہ دشمن تو ہلاک نہ ہوا دوست ہی کا بھرتہ ہو گیا اسی طرح ایک بادشاہ کا باز اڑکر کسی بڑھیا کے گھر جا پڑا تھا اُسکو باز پر رحم آیا کہ بیچارہ تھک کر گر پڑا ہے تو اُسکو خوب کھلایا پلایا پھر دیکھا کہ اسکے ناخن بڑھے ہوئے ہیں کہنے لگی افسوس بیچارہ کی کسی نے خبر نہیں لی ناخن اتنے لمبے ہو گئے ان سے تکلیف ہوتی ہو گی اُس نے محبت میں آکر قینچی سے ناخن تراشدیئے پھر دیکھا کہ اسکی تو چونچ بھی ٹیڑھی ہے کہنے لگی اس ٹیڑھی چونچ سے کھانے پینے میں تکلیف ہوتی ہوگی قینچی سے اُسے بھی کچھ تراشدیا پھر دیکھا کہ اسکے بازوئیں بہت بڑی بڑی ہیں کہنے لگی ہائے یہ اسی واسطے نہیں اڑسکتا بازووں کا بوجھ بہت ہے قینچی سے کچھ کچھ بازو بھی کاٹ ڈالے اب وہ لنڈورا باز ہو گیا بڑھیا بیچاری نے تو اپنے نزدیک سب کام خیر خواہی سے کیے تھے مگر حقیقت میں یہ سب بدخواہی تھی اسی طرح ہمارے بھائی اسلام کے ساتھ خیر خواہی کے گمان میں بدخواہی کر رہے ہیں اپنے نزدیک تو وہ احکام کی حکمتیں بیان کرکے اسلام کی حقانیت ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ مذہب بالکل مطابق عقل کے ہے مگر انکو یہ خبر نہیں کہ ان حکمتوں پر احکام کی بنا کرنے سے اسلام کی جڑ کھوکلی ہو رہی ہے کہ اس سے ایک وقت میں احکام

مٹ جائیں گے محض حکمتیں رہ جائیں گی اس طرح سے کہ جب لوگ یہ سمجھیں گے کہ ان احکام سے اتفاق و اتحاد مقصود ہے اور پھر یہ دیکھیں گے کہ یہ حکمت کلب گھر میں جانے سے زیادہ حاصل ہوتی ہے جہاں ہر قسم کی آسائش و راحت بھی ہے تو پھر یقیناً وہ کلب گھر میں جانیکو مسجد میں جانے پر ترجیح دیں گے اور اگر خدانخواستہ کسی وقت اسلام پر قائم رہنے سے اتفاق حاصل نہو سکا اور تبدیل مذہب سے اس کا حصول متوقع ہوا تو جو لوگ ان حکمتوں پر احکام کی بنا سمجھے ہوئے ہیں عجب نہیں کہ اسوقت وہ مذہب بھی بدلدیں اسلئے میں کہتا ہوں کہ ہر شخص کو احکام کی حکمتیں نکالنے کا حق نہیں اور نہ ہر حکم کی علت بیان کرنا جائز ہے البتہ محض مجتہد کو یہ حق ہے اور وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ تعدیہ حکم کیلئے اور وہ بھی سب علماء کے نزدیک نہیں چنانچہ اوپر بیان ہوا ہے کہ اسمیں بھی دو فرقے ہیں ایک اہل ظاہر جو سوائے علل منصوصہ کے اور کسی علت کا تلاش کرنا جائز نہیں سمجھتے اور ایک فقہا محققین جو تعدیہ حکم کے لئے صرف احکام غیر متعبد بہا کی علل کا تلاش کرنا جائز سمجھتے ہیں باقی حکمتوں کا تجسس کرنا باجماع اہل حق غیر ضروری اور بعض جگہ مضر ہے اس اجماع کے مخالف صرف نیچری ہیں جو ہر حکم کی حکمت کو ہی تلاش کرتے ہیں اسلئے میں نے اس مسئلہ پر تنبیہ کردی۔ قاعدہ یہ ہے ... کہ جہاں شارع نے خود حکمت بتلادی ہو خواہ صراحۃً یا دلالۃً یا الهاماً وہاں تو حکمت کا دعوی قطعاً یا ظناً یا احتمالاً جائز ہے اور جہاں شارع نے حکمت سے بالکل سکوت کیا ہو وہاں اسکے درپے ہونا جائز نہیں حکمتوں کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے جواہرات کا شاہی خزانہ کہ اگر بادشاہ از خود اپنے خزانہ کی سیر کرادے تو یہ عنایت ہے اسوقت ضرور سیر کرنا چاہئے اور معلوم کرنا چاہئے کہ یہ یاقوت ہے یہ مرجان ہے یہ زمرد ہے اس مثال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک بزرگ نے حکمتوں کے بارہ میں ایک کتاب لکھی ہے اسمیں جواہرات ہی کے نام سے انکو معنون کیا ہے چنانچہ کہیں یاقوت کا عنوان ہے کہیں زمرد کا کہیں الماس کا بلکہ اسمیں بجائے الماس کے صرف ماس لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں الف لام اصلی نہیں بلکہ اصل لفظ ماس ہے اسپر الف لام تعریف کا زیادہ کیا گیا ہے

مگر استعمال میں وہ جزو کلمہ ہی بنا لیا گیا اور آجکل تو الف لام کا اتنا خرچ ہے کہ بہت سے اعلام میں الف لام کو جزو علم بنا لیا جاتا ہے چنانچہ کتب و رسائل کے نام ہو گئے ہیں الہارون۔ المامون وغیرہما اسکے متعلق ہمارے مولانا عبد العلی صاحب کا لطیفہ ہے کہ الف لام کی چار قسمیں تو نحاۃ نے بیان کی ہیں لام استغراق و عہد خارجی و عہد ذہنی ولام جنس مگر آج کل پانچویں قسم اور بھی ہے یعنی لام نیچریت پھر فرمایا کہ آجکل جو اعلام پر الف لام داخل کیا جاتا ہے یہ الف لام نیچریت کا ہے کیونکہ زیادہ عادت اُن ہی کی ہے غرض بادشاہ اگر خود اپنی خوشی سے خزانہ کی سیر کرا دے تو یہ اُسکی عنایت ہے مگر تمہارا درخواست کرنا جرم ہے چنانچہ اگر کوئی شخص از خود ایسی درخواست کرتا ہے تو گستاخ سمجھکر دربار سے نکالدیا جاتا ہے یہی حال حکم کا ہے کہ خود ان کے درپے نہونا چاہئے ہاں حق تعالیٰ بتلادیں تو نعمت ہے اُسوقت اُنکو سمجھنا چاہئے اور جن احکام کی حکمتیں معلوم ہو جائیں اُنکو مبانی و مناشی احکام کا نہ سمجھے بلکہ خود اُنکو احکام سے ناشی سمجھے ان شرائط کے ساتھ حکمتوں کے سمجھنے کا مضائقہ نہیں۔ قرآن میں جہاں کہیں حکم کے بعد لام غایت آیا ہے وہ علت نہیں ہے حکمت ہے مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حکم پر یہ اثر مرتب ہوگا یہ مطلب نہیں کہ حکم کی بنا اسپر ہے مگر اب تو لوگوں نے حکمت کو علت بنا رکھا ہے اس طرز سے حکمتیں بیان کیجاتی ہیں جس سے حکم کی بنا انہی پر معلوم ہوتی ہے یہ طریقہ غلط ہے اگر ایسا نہو تو پھر بیان حکمت کا مضائقہ نہیں اس صورت میں یہ مفسدہ نہوگا کہ کلب گھر کو جو بعض جگہ تو کلب گھر ہی ہو جاتا ہے نماز با جماعت پر ترجیح دیجائے اب سنئے چونکہ اس مقام پر حق تعالیٰ نے احکام کی حکمتیں خود بیان فرمائی ہیں اسلئے اُنکے بیان میں مضائقہ نہیں بلکہ انکو سمجھنا ضروری اور مفید ہے چنانچہ فرماتے ہیں یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر صوم کے احکام ادا و قضا بیان کرکے فرماتے ہیں کہ ہم تم پر آسانی کرنا چاہتے ہیں دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتے چنانچہ حکم قضا میں تو یہ آسانی ہے کہ معذور و مسافر کے ذمہ یہ لازم نہیں کہ چاہے کیسا ہی عذر ہو تب بھی ادا ہی رکھو بلکہ یہ اجازت دی گئی کہ پھر جب چاہو رکھ لو رہا یہ کہ حکم ادا

میں کیا سہولت ہے ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں بھی اگر تعمیم ہوتی کہ جب چاہو رکھ لو کسی خاص زمانہ کی قید نہ ہوتی تو اسوقت سہولت ہوتی۔ اور اگر ادا ہی واجب نہوتا تو اور زیادہ سہولت تھی یعنی روزہ مشروع ہی نہوتا چنانچہ کل ہی ایک سائل نے مجھسے کہا تھا کہ بڑی آسانی تو یہ تھی کہ روزہ فرض ہی نہوتا میں نے کہا اسمیں کیا آسانی تھی بلکہ یہ تو محرومی تھی اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ جائداد ہی نہوتی تو اچھا تھا تو کیا جائداد نہونا بھی کوئی لطف ہے (اس جواب کی تفصیل آگے آئی ہے ۱۲) تو سُنئے ادا میں تو یہ سہولت ہی کہ ایک مہینہ معین کرنے سے سب مسلمان ملکر ساتھ ہی روزہ رکھتے ہیں اور جو کام سب ملکر کرتے ہیں وہ آسان ہو جاتا ہے تجربہ کر لیا جائے کہ تنہا روزہ رکھنا جاڑوں میں بھی گراں اور دشوار ہوتا ہے اور رمضان چاہے کیسے ہی گرمی کے دن ہوں انمیں روزہ آسان ہے کیونکہ ایک طرف سے سب کا ایک حال ہوتا ہے اسی لئے اہل عرب کا مقولہ ہے البلیۃ اذا عمت طابت (مصیبت جب عام ہوتی ہے خوشگوار ہو جاتی ہے ۱۲) اور فارسی مثل ہے مرگ انبوہ جشنے دارد اسی کو سعدی فرماتے ہیں ؎

پائے در زنجیر پیش دوستاں — بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

دوستوں کے ساتھ قید میں رہنا اسی لئے تو اچھا ہے کہ وہ سب کے سب غم میں شریک ہو جاتے اور غم کو بانٹ لیتے ہیں اور بیگانوں کے ساتھ باغ کی سیر اسلئے بری ہے کہ وہ خوشی میں ساتھ نہیں دیتے غرض جسطرح خوشی بھی شرکت احباب ہی سے بھلی معلوم ہوتی ہے اسی طرح رنج بھی شرکت احباب سے کم ہو جاتا ہے۔ تو ادا کی تعیین میں یہ لطف ہے کہ دن بھر سب ایک حال میں رہتے ہیں اور افطار میں سب کے سب کیسے خوش ہوتے ہیں رہا یہ سوال کہ روزہ ہی نہوتا تو سب سے زیادہ آسانی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ سہولت اسی وقت تک سہولت ہے جبکہ اس کا ثمرہ صورت مشقت سے کم نہو اور اگر مشقت مثمر ہو اور سہولت غیر مثمر تو اس صورت میں اسکو کوئی بھی سہولت نہیں کہتا توضیح اسکی یہ ہے کہ فرض کرو ایک شخص کو ہزار روپے کی ضرورت ہے جسکے حصول کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ تجارت کرے دوسرے یہ کہ ملازمت یا زراعت کرے اور انمیں سے ہر صورت

ایسی ہے کہ اسمیں ہزار روپے مل جانیکی توقع ہے تو اسوقت مثلاً کہا جائیگا کہ زراعت وتجارت دشوار ہے اور ملازمت آسان ہے اب اگر کوئی کہنے لگے کہ سب سے آسان صورت تو یہ ہے کہ کچھ بھی نکرو گھر بیٹھے رہو تو اسکو کوئی عاقل سہولت نہیں سمجھتا کیونکہ اس طرح ہزار روپئے نہیں مل سکتے اسکو تو ہر کس محرومی اور کم ہمتی سے تعبیر کرے گا اور محرومی ایسی ناگوار چیز ہے کہ اُسپر انسان اُس مشقت کو ترجیح دیتا ہے جسمیں گو تعب اور دشواری ہے مگر حصول ثمرہ کی توقع ہے پس یہ بات محقق ہوگئی کہ یُسر و عُسر کے مقابلہ میں کسی صورت کو یُسر جبھی کہا جاتا ہے جبکہ ثمر ہوتے میں عسر کے برابر ہو اور جو صورت ثمر ہی نہو وہ یُسر ہرگز نہیں بلکہ عسر سے بھی اشد اور ناگوار تر ہے اب سمجھئے کہ روزہ بھی ایک بڑی دولت عظمیٰ ہے یہ ایسی نعمت ہے کہ اس سے بے انتہا ثواب ملتا ہے اور درجات میں ترقی ہوتی ہے تو اسمیں بھی یُسر کا مصداق وہی صورت ہو سکتی ہے جس میں ثواب تو عُسر کے برابر ملے اور پھر سہولت ہو۔ اور اگر روزہ ہی مشروع نہوتا تو یہ ثواب بالکل نملتا تو ہمیں کونسی آسانی تھی۔ دراصل آسانی کی حقیقت راحت ہے اور راحت حصول دولت ہی میں ہے نہ کہ محرومی میں پس عدم مشروعیت صوم کے مقابلہ میں تو روزہ کی مشروعیت اور اسکی دشوار صورت بھی یُسر ہی ہے کیونکہ وہ مثمر تو ہے پھر مشروعیت صوم کے بعد چونکہ مثمر ہوتے میں کئی صورتیں برابر ہیں تو اُن میں سے جس صورت میں ادا اسہل ہو وہ یسر ہوگی اور جسمیں ادا دشوار ہو وہ عسر ہوگی اور یہیں سے یہ سوال بھی حل ہو گیا کہ ہم پہلے عالم ارواح میں تھے اگر وہیں رہتے تو اچھا تھا کہ وہاں قرب ہی قرب تھا بُعد کا نام نتھا یہاں عالم ناسوت میں آکر کیا فائدہ ہوا گھس میں مبتلا ہو گئے بُعد میں پڑ گئے اسی لئے بعض اہل حال اُس حالت کو اشتیاق سے یاد کرتے ہیں چنانچہ عارف جامی فرماتے ہیں ؎

چند روزے کہ پیش از روز و شب | فارغ از اندوہ و آزاد از طلب
متحد بودیم با شاہ وجود | حکم غیریت بکلی محو بود الی آخرہا

مگر محققین نے فرمایا ہے کہ نہیں یہاں آنا ہی اچھا ہوا اور ان علائق میں مبتلا ہونا بھی

قرب ہے بلکہ اُس قرب سے بڑھکر ہے کیونکہ قرب کی اقسام ہیں بعض قرب بصورت بُعد ہوتا ہے جیسے بعض لطف بصورت قہر ہوتا ہے چنانچہ بعضے امیر ہوتے ہیں مگر طاعات سے بیفکر ہوتے ہیں تو یہ لطف بصورت قہر ہے اور بعض دفعہ قہر بصورت لطف ہوتا ہے جیسے ایک بچہ کو میانجی کبھی کئی دن تک کچھ نہیں کہتا حالانکہ وہ سبق یاد نہیں کرتا نہ آموختہ سناتا ہے مگر میانجی کسی بات پر تنبیہ نہیں کرتا یہ بچہ اپنے دل میں خوش ہے کہ میانجی مجھے بہت چاہتے ہیں کہ باوجود کوتاہیوں کے مجھے کچھ نہیں کہتے یہ قہر بصورت لطف ہے اور دوسرے بچہ کو روز مارتا ہے اُسپر وہ پہلا بچہ ہنستا ہے کہ نالائق تجھے میانجی نہیں چاہتے اسی لئے روز پیٹتے ہیں مگر ؎

فسوف تری اذا انکشف الغبار　　　افرس تحت رجلك ام حمار

ایک دن جو میانجی نے سبکا امتحان لیا کہ سبق سناؤ جو لڑکا روز پٹتا تھا وہ تو فر فر سناتا چلا گیا کہ میانجی بھی خوش ہو گئے اور خوب شاباشی دی بہت تعریف کی اور دوسرا لڑکا جو کبھی نہ پٹتا تھا لفظ لفظ پر غوطے کھانے لگا اُسپر سر منڈاتے ہی اولے پڑنے لگے اور آخر میں مکتب سے نکالدیا گیا اب وہ لڑکا اس سے پوچھتا ہے کہ بتلاؤ کل کسپر لطف تھا اب وہ تسلیم کرے گا کہ اُسپر قہر بصورت لطف تھا اور دوسرے پر لطف بصورت قہر تھا ہمارے حاجی صاحب نے اس نکتہ کو قبض کے بارہ میں فرمایا تھا کہ یہ لطف بصورت قہر ہی مولانا فرماتے ہیں ؎

چونکہ قبض آید تو در وے بسط بیں　　　تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو　　　آں صلاح تست آیس دل مشو

مولانا بھی اسی کی تعلیم دے رہے ہیں کہ قبض کو صلاح و لطف سمجھو اور اسمیں بسط کو دیکھو ایسے ہی بعض یُسر بصورت عُسر ہوتا ہے جیسا کہ روزہ میں بظاہر دشواری ہے مگر ثواب و ترقی پر نظر کرکے یہ سب مشقت عین یُسر ہے بخصوص جبکہ اُسکی صورت بھی آسان تجویز کی گئی اسی طرح اسوقت جو ہم اس عالم میں آکر علائق میں مبتلا ہو گئے یہ بھی قرب بصورت بُعد ہے کیونکہ عالم ارواح میں ہم ناقص تھے حق تعالیٰ کو زیادہ قرب عطا فرمانا منظور تھا

اسلئے یہاں بھیجدیا کیونکہ بہت سے اقسام قرب وہ ہیں جو بصورت صلوٰۃ اور صورت صوم پر موقوف تھے بعض قرب وہ ہیں جو صورت حج پر موقوف ہیں یہ روح مجرد کو بدون جسم کے کیونکر حاصل ہوتے وہ تو لنڈی لُنڈی کھڑی رہتی وہاں چہرہ ہی نہیں تو نماز میں وضع الجبہہ کیسے ہوتا اُسکو بھوک پیاس ہی نہیں تو روزہ کیسے ہوتا اور طواف بیت اللہ کیسے ہوتا وغیرہ وغیرہ تو روح ان اقسام قرب کی تحصیل سے بالکل عاجز تھی اگر عالم ارواح سے یہاں نہ آتی تو یہ قرب خاص کیسے حاصل ہوتا نماز روزہ کی دولت کیونکر ملتی اسلئے جنپر حب عقلی کا غلبہ ہے وہ تو اسپر نظر کرکے یہاں کی قید سے خوش ہوکر یوں کہتے ہیں ؎

اسیرت نخواہد رہائی زبند شکارت نجوید خلاص از کمند

وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ دس برس کی جگہ بیس برس اور زندہ رہیں تاکہ بہت سے اعمال طاعات کا ذخیرہ ساتھ لیجائیں اور کسی باپ بیٹے کی فاتحہ کے محتاج نہوں بلکہ اتنا زندہ رہیں کہ خود ہی اوروں کی فاتحہ دلایا کریں مگر جنپر حب طبعی کا غلبہ ہے وہ اس قید سے گھبراکر پہلی حالت کا اشتیاق ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محبوب کا قرب صوری حاصل ہو جائے چاہے درجے بھی نہ ملیں ہمکو نہ درجات کی ضرورت ہے نہ کسی کے ایصال ثواب کی چنانچہ ایک مغلوب کا قول ہے ؎ ۲۴

طمع فاتحہ از خلق نداریم نیاز عشق من از پس من فاتحہ خوانم باقیست

نیاز کو تو عقل کم ہوتی ہی ہے اسلئے یہ تو ایسی ہی کہیں گے، حیرت ہے بنیاز ہوکر ایسی بے نیازی اور جنپر حب عقلی کا غلبہ ہے وہ یوں کہتے ہیں ؎

ایکہ بر ما مے روی دامن کشاں از سر اخلاص الحمدے بخواں

وہ تو ادنی سے ادنی عمل کے محتاج ہیں اور اسکے لئے زندگی کی درازی کے طالب ہیں ہمنے دونوں قسم کے بزرگوں کو دیکھا ہے اُنکو بھی جنپر حب طبعی کا غلبہ تھا اور زندگی نہ چاہتے تھے اور انکو بھی جنپر حب عقلی کا غلبہ تھا اور زندہ رہنا چاہتے تھے شاہ فضل الرحمن صاحب

۱؎ یہ اپنے خادم نیاز محمد خاں کیطرف اشارہ کرکے فرمایا وہ اسوقت سامنے بیٹھے تھے اور شعر میں اپنا نام سنکر خوش ہو رہے تھے

باز شاء اللہ فیہ ۱۲ جامع

ایک دفعہ بیمار ہوئے پھر اچھے ہو گئے تو فرمایا کہ ہم ایک بار بیمار ہو گئے ہمکو مرنے سے
بہت ڈر لگتا ہے ایک رات حضرت سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا
انھوں نے ہمکو چھاتی سے لگا لیا بس صبح ہی کو اچھے ہو گئے مولانا بڑے صاف تھے
تصنع بالکل نہ تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تو حدیث میں آیا ہے کہ جب ملک الموت
اُن کے پاس قبض روح کے واسطے آئے تو آپنے اُن کے ایک طمانچہ مارا وہ بیچارے حق تعالےٰ
کے پاس واپس گئے اور عرض کیا انک ارسلتنی الی رجل لا یرید الموت آپنے مجھے
ایسے شخص کے پاس بھیجا ہے جو مرنا نہیں چاہتا سو طمانچہ مارنے کی خواہ کچھ ہی توجیہ ہو
لیکن ملک الموت کے قول سے موسیٰ علیہ السلام کی شان لا یرید الموت کی تو معلوم
ہوئی جسپر کوئی نکیر نہیں کیا گیا معلوم ہوا کہ طولِ حیات کی خواہش بھی منافی کمال
ولایت نہیں۔ وہ دنیا کی عمر کو موجب زیادتِ قرب سمجھکر یہ چاہتے تھے کہ اور زندہ ہیں
تاکہ قرب میں اور ترقی ہو اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کا دنیا میں آنا گو بصورتِ
عتاب تھا مگر حقیقت میں یہ عنایت تھی کہ حق تعالیٰ نے یہاں بھیجکر ہمارے لئے ترقی ۲۵
کی راہیں کھولدیں اگر جنت ہی میں رہتے تو وہ رہنا ایسا ہوتا جیسے گھر کی زمینداری
ہوتی ہے جسمیں ایک ہزار کی مثلاً بچت ہے بس وہی اوڑھنا بچھونا ہے اُسے ہی کھالو
پہن لو پھر کچھ نہیں اور یہاں آنا ایسا ہے جیسے کوئی زمیندار ملازمت پر چلا جائے کہ
گھر کی زمینداری الگ رہی اور ماہواری تنخواہ الگ رہی اب وہ بہت زمانہ کے بعد لاکھوں
روپیہ لیکر گھر جائیگا تو اُسے معلوم ہوگا کہ گھر پر رہنے کا اب مزا ہے اسلام نگر کے ایک صاحب
ہیں جو حیدر آباد میں انسپکٹر ہیں گو انسپکٹری کا مضاف الیہ بہت برا ہے مگر انکی تنخواہ
بہت ہے دو ہزار روپیہ ماہوار اب جسوقت وہ پنشن لیکر ہزاروں لاکھوں ساتھ لائینگے
تو انکو اسلام نگر میں رہنے کا لطف اُن لوگوں سے زیادہ آئیگا جو محض گھر کی زمینداری
پر قناعت کئے ہوئے وہاں رہتے ہیں اسی طرح آدم علیہ السلام کا دنیا میں آنا گویا
ملازمت پر آنا ہے کہ یہاں خوب دولت جمع کر کے پھر بیفکری کے ساتھ اصلی وطن میں
جائیں سو بس آدم علیہ السلام کا زمین میں اُترنا بھی صورتِ قہر میں لطف تھا اور نیز

جو عتاب ہوا وہ بھی لطف تھا باقی عصیٰ آدم فرمانا یہ محبوبانہ انداز ہے محبوب اپنے عشاق کو جو چاہے کہہ لیتے ہیں کبھی عاصی کبھی غاوی بلکہ کبھی عاشق بھی محبوب کو ظالم یا ستمگر کہہ لیتا ہے جس سے وہ برا نہیں مانتا مگر براہ مہربانی آپ ان سنتے ہوئے الفاظ کی نسبت اپنی طرف بطور نقل بھی نکریں ورنہ آپ کے عصا لگے گا بعض لوگوں کو سنے ہوئے الفاظ کی نقل کا شوق ہوتا ہے مگر اس کا نتیجہ ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں چنانچہ ایک صاحب نے کسی مہذب آدمی کو سنا کہ جب وہ مجلس سے جانے لگے تو صاحب خانہ سے کہا کہ میں مرخص ہونا چاہتا ہوں آپ کو اس لفظ کے استعمال کا شوق ہوا دیر تک اسکو رٹتے رہے کہ ہم بھی اٹھتے ہوئے یوں ہی کہیں گے اتفاق سے کچھ دیر کے بعد مرخص کی جگہ زبان پر مخنث چڑھ گیا اب جب آپ اٹھنے لگے تو فرماتے ہیں کہ میں بھی مخنث ہونا چاہتا ہوں، صاحب خانہ نے کہا کہ اپنی چیز کا آپکو اختیار ہے جو چاہے کیجئے میں کیا عرض کروں اب آپ اس کا منہ تکتے ہیں کہ مجھے یہ نیا جواب کیوں دیا جا رہا ہے اسی طرح ایک صاحب نے کسی کو سنا تھا کہ اس نے ایک شخص کے بیٹے کی تعزیت میں یوں کہا تھا خدا آپکو نعم البدل عطا فرمائے آپ نے اس لفظ کو یاد کر لیا اتفاق سے کسی کا باپ مرگیا تھا آپ اسکی تعزیت کو گئے تو اس سے بھی فرماتے ہیں کہ خدا آپکو نعم البدل عطا فرمائے تو حضرت سنے ہوئے الفاظ نقل کرنیکا یہ نتیجہ ہوتا ہے بہر حال حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے ساتھ لطف و یسر ہی کیا ہے گو صورۃً عسر تھا اسی طرح روزہ میں بھی یسر ہے ادا میں بھی اور قضا میں بھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ یرید اللہ بکم الیسر کا تعلق کلام سابق کے ہر ہر جزو سے الگ الگ نہو بلکہ مجموعہ سے ہو مطلب یہ ہوگا کہ مجموعہ احکام ادا و قضا میں یسر کی رعایت ہی گو کسی ایک جزو ہی کے لحاظ سے ہو اس صورت میں ادا کیلئے یسر تلاش کرنے کی ضرورت نرہے گی۔ مگر ظاہر پہلا ہی احتمال ہے کہ ہر جزو سے الگ الگ اس کا علاقہ ہے کیونکہ ادا میں بھی یسر کا ہونا مشاہد ہے اور یہ یسر تو دائمی ہے بعض اوقات یسر خاص بھی ہوتا ہے چنانچہ اس رمضان میں درمیان کے چند روزے کیسے دشوار معلوم ہوتے تھے جس سے

اندیشہ تھا کہ اخیر کے روزے بہت سخت ہوں گے مگر فوراً ہی ایسی ٹھنڈ ہوئی ہے کہ اخیر کے روزے بہت ہی آسان ہوگئے اور یرید اللہ بکم الیسر کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسمیں اعانت کا وعدہ ہے کہ یہ حکم دیکر ہم تمھارے لئے آسانی اور سہولت کا ارادہ کر رہے ہیں تم کام شروع کرو ہم تائید و توفیق و تیسیر کریں گے۔ اب یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ ولتکملوا العدۃ کسکی علت غائیہ ہے اگر یہاں واؤ نہ ہوتا تو یرید اللہ بکم الیسر کی علت غائیہ ہو جاتی اور مطلب یہ ہوتا کہ ہم تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتے ہیں تاکہ تم بسہولت اس شمار کو پورا کر لو۔ مگر واؤ کی وجہ سے اشکال پڑ گیا کہ یہ واؤ کیسا ہے اور عاطفہ ہے تو اس کا معطوف علیہ کیا ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ واؤ عاطفہ ہے اور معطوف علیہ کتب علیکم الصیام ہے اور لتکملوا العدۃ کا عامل مقدر ہے اور وہ معطوف ہے تقدیر عبارت یوں تھی کتب علیکم الصیام الخ وشرع لکم صیام رمضان لتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علیٰ ما ھدیکم الخ یعنی تم پر روزہ فرض کیا ہے اور رمضان کا روزہ تعیین کے ساتھ اسلئے مشروع ہوا تاکہ تم شمار کو پورا کر لو پھر اتمام عمل سے جو کہ بڑی کامیابی ہے خوش ہو اور تاکہ اس نعمت عظمیٰ پر خوش ہو کر حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو کہ اُس نے تمسے کام پورا کرا دیا ولعلکم تشکرون اور تاکہ ان احکام میں تمہاری جن مصالح و منافع کی رعایت کیگئی ہے اُن کا مشاہدہ کر کے شکر کرو حاصل اس تاویل کا یہ ہوا کہ کلام سابق میں احکام کی تفصیل تھی اور حکمتوں کا اجمال تھا اور اس کلام میں حکمتوں کی تفصیل ہے اور ذکر احکام کا اجمال ہے تو یہ ایک لطیف ایجاز ہے کہ صرف واؤ سے اجمالاً تمام احکام سابقہ پر اشارہ ہو گیا اور ایک تاویل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یرید اللہ بکم الیسر کو بھی معرض علت میں مانا جائے اور اسکو حکم ادا کی علت کہا جائے اس صورت میں ولتکملوا کا عطف معنیٰ یرید اللہ پر ہو جائیگا اور لتکملوا کو حکم قضا کی علت کہا جاویگا۔ مطلب یہ ہوا کہ ہمنے ادا کا حکم اسلئے مشروع کیا کہ ہم تمپر آسانی کرنا چاہتے ہیں اور قضا کا حکم اسلئے مشروع کیا تاکہ عذر کی حالت میں رمضان کا روزہ فوت ہو جائے تو دوسرے

وقت میں تم شمار کو پورا کر سکو اور رمضان کی برکات حاصل کر سکو اس صورت میں
تفصیل حکم کے ساتھ تفصیل احکام بھی ہوگی کہ ہر حکمت ایک ایک حکم کی طرف الگ
الگ مشیر ہے آگے ولتکبروا اللہ ولعلکم تشکرون کا تعلق سب کی ساتھ مجموعۃً ہوگا
اور ایک لطیف توجیہ اس مقام پر واؤ لانے کی شاہ عبدالقادر صاحب نے کسی اور
آیت میں بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ احکام دنیویہ جو معلل بالغایات ہوتے ہیں عموماً
وہ احکام خود مقصود نہیں ہوتے بلکہ وہ غایات مقصود ہوتی ہیں مگر احکام شرعیہ
میں ایسا نہیں ہے وہ ہر حال میں خود بھی مقصود ہوتے ہیں اسلئے حق تعالیٰ نے یہاں
علت پر واؤ عاطفہ داخل فرما کر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ یہاں معطوف علیہ مقصودیت
بالذات ہے اور معطوف مقصودیت للغایات معنی کلام کے یہ ہونگے شرع لکم ہذا الاحکام
لمقصودیتہا بالذات ولغایات الاکمال والتکبیر والشکر یعنی یہ احکام صرف ان علتوں
ہی کی وجہ سے مقصود نہیں بلکہ یہ احکام خود بھی مقصود ہیں اور علل کی وجہ سے بھی مقصود
ہیں حتیٰ کہ اگر ان میں کوئی بھی حکمت نہ ہوتی جب بھی حق تعالیٰ کا حکم دینا بجا تھا اور اسمیں
لطیف اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ حق تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہوتے
بلکہ اغراض سے الگ ہو کر بھی مقصود ہیں بس حقیقت میں وہ حکم نتائج ہیں نہ کہ مبانی
یہ الفاظ شاہ صاحب کے نہیں ہیں انھوں نے تو بہت سہل لفظوں میں اس مضمون کو
ادا کیا ہے میں نے اہل علم کی آسانی کیلئے اسکو اصطلاحی لفظوں سے تعبیر کر دیا غرض
یہاں مشروعیت احکام صیام کی متعدد حکمتیں مذکور ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یرید
اللہ بکم الیسر کو بحکم علت مانکر صرف صیام ہی کی ساتھ مخصوص نکہا جاوے بلکہ
تمام احکام شرعیہ کی طرف راجع کیا جائے جسمیں صوم بھی داخل ہو گیا۔ اس صورت میں
مطلب یہ ہوگا کہ صوم ہی کی کیا تخصیص ہے ہمکو تو تمام احکام سے یہی مقصود ہے
کہ تم پر آسانی کریں اور راحت دیں ابتلا نے حق تعالیٰ کی برابر کون شفیق حاکم
ہو سکتا ہے کہ وہ محض ہماری راحت ہی کیلئے حکم دیتے ہیں انکی کوئی منفعت نہیں
صاحبو! باپ ماں بھی اگر بیٹے کو کوئی حکم دیتے ہیں تو اسمیں بھی انکی کوئی نہ کوئی ذاتی

غرض ضرور ہوتی ہے اور بھی کچھ نہ ہو تو انکی راحت سے اپنے کو راحت دینا مقصود ہوتا ہے
پس سب کے سب طالب اغراض ہیں مگر حق تعالیٰ کی ان احکام میں کوئی اپنی غرض نہیں ہے بلکہ وہ
تو محض ہماری آسانی اور راحت کیلئے احکام مقرر فرماتے ہیں اور تمام احکام شرعیہ میں
آسانی عام ہونے کی دلیل دوسری آیت میں صریحاً مذکور ہے ماجعل علیکم فی الدین
من حرج تو مطلب یہ ہوگا کہ ایک ہی حکم کیا بلکہ جملہ احکام میں مقصود یسر ہی ہے کیونکہ یسیر
مفعول ہے یرید کا پس یسر مراد و مقصود ہوا اب اسمیں دو احتمال ہو سکتے تھے ایک یہ کہ
خود حکم ہی یسیر ہو دوسرے یہ کہ حکم میں یسر ہو اسکو حدیث الدین یسر نے صاف کر دیا کہ
اسمیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم دین ہی کو یسر فرما رہے ہیں فی الدین یسر نہیں فرمایا۔
کیونکہ فی الدین یسر میں یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ یسر دین سے کوئی الگ شے ہے جو
اسمیں آکر داخل ہو گئی ہے چونکہ یہاں ایسا نہیں تھا بلکہ جس چیز کا نام یسر ہے وہ
دین ہی ہے اسلئے الدین یسر فرمایا۔ صاحبو! لوگوں کو دین کی حقیقت معلوم نہیں اسلئے
وہ اسکو دشوار سمجھتے ہیں مگر بخدا دین کی حقیقت لذت و راحت ہے ذرا اس پر عمل کر کے
دیکھو تو ہر کام میں لذت و راحت معلوم ہوگی اسی لئے حضور فرماتے ہیں جعلت قرۃ
عینی فی الصلوٰۃ کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے صاحبو! نماز اور ذکر
میں وہ لذت ہے کہ اسکی مستی میں ذاکر ساری پریشانیوں کو بھولجاتا ہے ایک بزرگ
چند سال ہوئے اگبر جہاز میں سوار تھے جبکہ وہ طوفان میں آرہا تھا۔ اس جہاز کے مسافر
مجھسے جسقدر ملے سب پریشان تھے اور اس مصیبت کی حالت کو بڑے ہیبتناک لہجہ سے
بیان کرتے تھے مگر ان بزرگ سے جو میں لکھنؤ میں ملا تو وہ بڑے خوش تھے ہنس ہنس کر
واقعہ بیان کرتے تھے کہتے تھے کہ اسوقت بڑا مزا آرہا تھا جہاز میں ہر طرف نور ہی نور
تھا کیونکہ سب لوگ خدا تعالیٰ کیطرف متوجہ تھے کوئی ذکر کر رہا تھا کوئی توبہ استغفار کوئی
گناہوں پر رو رہا تھا بس بڑا مزہ آرہا تھا ان لوگوں سے کوئی دین کی لذت کو پوچھے کہ
وہ انوار ذکر کی لذت میں جہاز کا طوفان میں آنا اور غرق ہونیکو تیار ہونا بھی بھول گئے
اہل اللہ کو نماز روزہ میں ایسی لذت آتی ہے جیسے عاشق کو محبوب کے پیر دبانے اور پنکھا

جھیلنے میں انصاف سے کہئیے کہ اگر کوئی محبوب عاشق سے یہ کہدے کہ بس اب پنکھا نہ جھلو آرام سے بیٹھو تو کیا عاشق خوش ہو کر یہ کہے گا کہ اچھا ہوا اُس سے میرے ہاتھ نہیں دکھائے ہرگز نہیں تو آپ ذرا احکام شرعیہ پر عمل کر کے دیکھیں انشاء اللہ لذت و راحت ہی حاصل ہوگی باقی کبھی جو نماز میں کچھ عارضی مشقت پیش آجاتی ہے یہ یُسر کے خلاف نہیں کیونکہ ایسے اتفاقات تو آسان سے آسان کام میں بھی پیش آجاتے ہیں کیا کھانا کھانے میں کبھی لقمہ نہیں اٹکتا یا پانی پیتے ہوئے پھندا نہیں لگتا تو پھر ان کو بھی دشوار کہنا چاہیے۔ صاحبو جب یہ بات ہے پھر چاہیے تو یہ تھا کہ حق تعالیٰ مسجد میں آنیکی آپ سے فیس لیتے کیونکہ یہاں آکر نماز پڑھکر تمکو راحت حاصل ہوتی ہے اُس راحت پر فیس لگ سکتی ہے مگر وہ تو ایسے کریم ہیں کہ تمکو راحت پہونچا کر اسپر بھی خود ثواب دیتے ہیں کہ تمنے راحت حاصل کر لی اسکا انعام لو۔ کیا ٹھکانا ہے اس رحمت کا کہ وہ کس کس طرح ہمکو راحت دینا چاہتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے بشر المشائین فی الظلم الی المساجد بالنور التام یوم القیمۃ ط کہ جو لوگ اندھیرے میں چلکر مسجد میں آتے ہیں انکو قیامت میں نور کامل حاصل ہونیکی بشارت دیدیجئے۔ بتلائیے اگر کوئی محبوب اپنے عاشق کو اجازت دیدے کہ رات کو اندھیرے میں آکر ہمسے مل لو تو فیس لینے کا محبوب کو حق ہے یا عاشق کو۔ ظاہر ہے کہ محبوب ہی کو حق ہے مگر یہاں حق تعالیٰ خود ثواب کی بشارت دے رہے ہیں پھر یہاں یہ بھی اجازت ہے کہ لالٹین ساتھ لیلو حالانکہ جب عشق میں پردہ ہے تو چاہیے تھا کہ روشنی میں آنیکی اجازت نہوتی مگر نہیں یہاں اسکی بھی اجازت ہے گو بعض اسکے بھی قائل ہیں کہ اگر راستہ میں خطرہ نہ ہو تو روشنی ہرگز ساتھ نہ لائی جائے یہ بھی ایک مذاق ہے بعضے عشاق گھونسہ بازی میں خوش ہیں کہ محبوب ذرا دو چار دھول بھی لگا دیا کرے کیونکہ یہ خصوصیت کی علامت ہے اسی طرح یہ لوگ مشاق کے تحمل کو فضل سمجھتے ہیں تاکہ خصوصیت ظاہر ہو اور دوسرا اظہار تمیز سے بچتے ہیں تاکہ عشق کا پردہ رہے ہر اک کا مذاق محمود ہے کیونکہ مقصود سب کا اچھا ہے

؎ عباراتنا شتی وحسنک واحد ۔ وکل الی ذاک الجمال یشیر

بہرحال حق تعالیٰ عشاق کے سنانیکو اس مقام پر اپنے احکام کی حکمتیں بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو ہمنے تمپر کیا کیا احسانات کئے ہیں اور عشاق کی تخصیص اسلئے کی کہ ان اعمال میں لذت وتیسیر کا احساس انہی کو ہوتا ہے یہ تو آیت کی تفسیر کے متعلق کلام تھا اب ختم رمضان کے مناسب جو مضمون اسمیں ہے اسکو خاص طور پر بیان کرتا ہوں سو ختم رمضان کے مناسب اسمیں دو جزو ہیں ایک ولتکملوا العدۃ اسمیں حق تعالیٰ نے اکمال عدت کو بھی حکمت کے طور پر بیان فرمایا ہے معلوم ہوا کہ یہ بھی مطلوب ہے یعنی جسطرح رمضان کا آنا نعمت ہے اسکا خیر وخوبی سے ختم ہو جانا بھی نعمت ہے کیونکہ اسمیں امتثال امر کا میابی ہے اور جب بندہ امتثال حکم میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس سے ایک خاص فرحت حاصل ہوتی ہے اور غلبہ مسرت میں یوں کہتا ہے

شکر للہ کہ نمردیم و رسیدیم بدوست
آفریں باد بریں ہمت مردانہ ما

نمردیم کے معنی یہ نہیں کہ رمضان میں مرنے پر شکر کرتے ہیں کیونکہ اسپر شاید کسی کو شبہ ہو کہ رمضان میں مرنا تو خوش قسمتی ہے پھر اسکے نہونے پر خوشی کیسی گو جیسے رمضان میں مرنا خوش قسمتی ہے نہ مرنا بھی خوش نصیبی ہے کیونکہ زندہ رہنے میں زیادہ عمل کی توفیق ہوتی ہے مثلاً جو لوگ مر گئے انھوں نے تو چند ہی روزے رکھے ایسے کم ہمت تھے اور جو زندہ رہے انھوں نے پورے تیس رکھے مگر پھر بھی یہاں نمردیم سے موت حقیقی کی نفی مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ شکر للہ کہ ہم رمضان میں مردل نہو گئے روزہ سے عاجز نہو گئے کہ اب تو روزہ نہیں رکھا جاتا چنانچہ بعضے ایسے بھی ہیں جنھوں نے مردل ہو کر روزے نہیں رکھے بلکہ بعضے تو ترک عمل سے متجاوز ہو کر ترک اعتقاد کو لیکر روزہ نماز کو منحوس سمجھتے ہیں جیسے ایک میواتی کا قصہ ہے کہ اس نے روزہ رکھا تھا اتفاق سے اسی دن بھینس مر گئی تو کمبخت نے لوٹا منہ کو لگا کر پانی پی لیا اور آسمان کی طرف منہ کرکے کہا لے پر کہوا لے روزہ تو نے میری بھینس مار دی میں نے تیرا روزہ توڑ دیا (کمبخت پیٹ بھر ہی کے جاہل تھا ۱۲) اسی طرح ایک دیہاتی بڈھے کی حکایت ہے کہ بڑھاپے میں اسکے لڑکوں نے اسکی خدمت کرنے سے انکار کردیا اور بات

بات میں اسکو برا بھلا کہنے لگے بیچارے نے مجبور ہو کر ایک طرف اپنا پلنگ ڈال لیا
اور نماز روزہ میں مشغول ہو گیا اتفاق سے لڑکوں کے بیل مر گئے کچھ کھیتی میں نقصان
آگیا تو سب کی رائے اسپر متفق ہوئی کہ یہ سب نحوست بڈھے کے نماز روزہ کی ہے بالآخر
سب اسی کے پاس گئے اور خوشامد کر کے اسکو اپنے ساتھ شامل کیا اور کہا تو نماز نہ پڑھا کر
ہم سب تیری پوری خدمت کیا کرینگے اس نے کہا بہت اچھا میں نے تو اسی واسطے
نماز شروع کی تھی کہ اکیلا پڑا ہوا کیا کرونگا اگر تم میری خدمت کرو اور ساتھ شامل رکھو
تو پھر نماز کی کیا ضرورت ہے۔ کچھ دنوں تو لڑکوں نے اسکی خوب خدمت کی پھر گھبرا گئے
لگے تو بڈھے نے کہا لایو او چھو کا کلھڑا (وضو کا لوٹا) میں نماج گھال لوں (نماز پڑھ لوں)
لڑکوں نے پھر ہاتھ پیر جوڑے کہ تو نماز مت پڑھ ہم ایسے پوری خدمت کرینگے اب بڈھے
کا یہی معمول ہو گیا کہ جہاں لڑکے خدمت میں کمی کرتے اور وہ اوچھو کا کلھڑا مانگتا پھر
سب ٹھیک ہو جاتے کچھ ٹھکانا ہے اس جہالت کا کہ کمبختوں نے نماز کو ایسا منحوس سمجھ
رکھا تھا۔ ہمارے اسی قصبہ میں ایک زمیندار کا لڑکا ذرا نماز روزہ کا پابند تھا تو اسکا ۳۲
تایا کہا کرتا تھا کہ ابے تو نماز پڑھ پڑھ کر ہاتھ پھیلا کر کیا مانگا کرتا ہے تیرے گھر میں کس
چیز کی کمی ہے اسکے نزدیک گویا نماز روزہ وہ کرے جسکے گھر کھانے کو نہ ہو وہ تو خدا سے
مانگے اور جسکے پاس ضرورت کے موافق سب کچھ ہو اسے خدا کی کچھ ضرورت ہی نہیں
استغفر اللہ۔ تو صاحبو! اگر ہم بھی ایسے ہی ہو جاتے تو کیا ہوتا یہ خدا کی عنایت ہے
کہ وہ ہمسے کام لیلیں اور کام لینا اسلئے کہتا ہوں کہ سب باگیں انکے ہی قبضہ میں ہیں
رشتہ درگردنم افگندہ دوست ؎ مے برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست
بس اپنا کچھ کمال نہ سمجھو کسی گنہگار کو حقیر جانو اسلئے کہتے ہیں ؎
شکر للہ کہ نمردیم و رسیدیم بدوست ؎ آفریں باد بریں ہمت مردانہ ما
شاید دوسرے مصرع پر کسی کو شبہ ہو کہ اسمیں تو اپنی تعریف ہونے لگی اپنا کمال ظاہر
کر رہے ہیں تو خوب سمجھ لو کہ یہ اپنی تعریف نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہے
کیونکہ ہمارے اندر دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ ہاتھ پاؤں دماغ آنکھیں وغیرہ ہمارے اعضا

ہیں اس حیثیت سے انکی تعریف کرنا مذموم ہے دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ سب
سرکاری مشینیں ہیں جو ہمکو عطا ہوئی ہیں اس حیثیت سے انکی تعریف کرنا اظہار
نعمت ہے یہاں اسی دوسری حیثیت سے اپنی ہمت پر آفریں ہے۔ یہاں معقول
سے کام لینا چاہیئے۔ اس حیثیت سے اپنا اعضاء کیساتھ محبت کرنا بھی مذموم نہیں
بلکہ محمود ہے کیونکہ اس صورت میں یہ اپنی ساتھ محبت نہیں بلکہ حق تعالی کے ساتھ محبت
ہے کہ اس نے ہمکو ایسی ایسی مشینیں عطا کی ہیں اسی حیثیت سے ایک بزرگ فرماتے ہیں

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است ۔ افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را ۔ کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

اس حیثیت سے اپنے اعضاء کا علاج بھی کرنا محمود ہے اگر سر میں درد ہو تو تیل لگانا
چاہیے کوئی مقوی دوا یا غذا استعمال کرنا چاہیئے کیونکہ یہ سرکاری مشینیں ہیں انکی
حفاظت ضروری ہے جیسے انجن کی مشین کو تیل دینا اور صاف کرنا ضروری ہے
اسی طرح ہاتھ پیر میں درد ہو تو اسکی مالش کرو زخم ہو جائے تو مرہم پٹی کرو اور سب میں ۳۴
یہ نیت کرو کہ اس سے صحت ہوگی تو عبادت کامل طور پر ادا ہوگی اور اگر یہ کہا جائے
کہ معذور کی نماز بھی تو کامل ہی ہوتی ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ گو معذور کی عبادت کا ثواب تندرست کے
برابر ہو مگر یہ تجربہ اکثر یہ ہے کہ حالت صحت میں جیسا تعلق بشاشت کا قلب کو
حق تعالی سے ہوتا ہے مرض میں وہ تعلق نہیں ہوتا تو اس لحاظ سے بھی دوا کرنا چاہیئے
جسم کو کھلاؤ پہناؤ صحت کی قدر کرنا چاہیئے اپنی جان کو مارنا کوئی تصوف نہیں نہ اس سے
کچھ قرب ہوتا ہے ہاں اگر سمن مفرط ہو تو اسکے کم کرنے کی اطباء ضرور تدبیر کرتے ہیں مگر
اسوقت بھی اپنی رائے سے تقلیل غذا نہ کرو بلکہ شیخ کا اتباع کرو ورنہ بجائے نفع کے ضرر
کا اندیشہ ہے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ذاکر کو تقلیل غذا سے منع فرمایا
تھا انھوں نے اپنے کچھ حالات بیان کئے تو مولانا نے فرمایا کہ دماغ میں یبس آگیا ہے
جنون کا مقدمہ ہے تم تقلیل غذا موقوف کردو اور دماغ کا علاج کرو نگر وہ تو ان کشفیات
کو کمال سمجھے ہوئے تھے اسلئے مولانا کے قول پر اعتماد نہ کیا بالآخر جنون ہو گیا اور سارے

اذکار واشغال موقوف ہوگئے پھر یہ حالت تھی کہ بالکل ننگے بیٹھے رہا کرتے۔ اسلئے میں کہتا ہوں کہ اپنے اعضا کو سرکاری مشین سمجھکر کبھی تیل بھی دیا کرو دودھ گھی بھی کھایا کرو اس حیثیت سے انکی محبت کرنا حفاظت کرنا اور جب ان سے خدا تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہو جائے تو اسپر انکی تعریف کرنا سب محمود ہے یہی مطلب ہے اس شعر کا ؎

شکر للہ کہ نمردیم و رسیدیم بدوست　　آفریں باد بریں ہمت مردانہ ما

پس رمضان کا ختم ہو جانا بھی نعمت ہے کہ ہمسے حکم کی تعمیل ہوگئی اگر رمضان ختم نہ ہوتا تو اس کامیابی کی مسرت کیونکر حاصل ہوتی اور کامیابی پر جو انعام کثیر ملتا ہے وہ کیسے ملتا البتہ جس نے رمضان کو ضائع کیا ہو اسکے لئے ختم رمضان موجب حسرت ہے جیسے اب محکمہ بندوبست بند ہو گیا ہے تو ملازمت تلاش کرنیوالے رو رہے ہیں کہ ہائے تنخواہ ملنے کا دروازہ بند ہو گیا مگر ایک وہ ملازم ہیں جو زمانہ بندوبست میں سرکاری خدمت انجام دیچکے ہیں وہ اسکے بند ہونے سے خوش ہیں کیونکہ انکو حسن کارگذاری پر اتنا انعام ملا ہے کہ گھر بھر گیا ہے پھر بعض کو اس محکمہ کے بند ہو جانے پر دوسرے محکمہ کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے وہ تو اور زیادہ خوش ہیں اور حق تعالیٰ کے یہاں تو ہمیشہ یہی صورت ہوتی ہے کہ ایک محکمہ بند ہو جانے پر ملازموں کو بیکار نہیں چھوڑا جاتا بلکہ دوسرے محکمہ کی طرف منتقل کیا جاتا ہے تو یہاں جو ایک دفعہ ملازم ہو گیا اسکے لئے گویا استمراری پٹہ لکھدیا گیا ہے کہ عمر بھر ملازمت سے برخاست نہیں ہو سکتا البتہ تبدیل محکمہ ہوتی رہتی ہے کہ اب روزہ رکھو۔ اب حج کرو۔ اب قربانی کرو اب نماز پڑھو چنانچہ اب رمضان کے ختم ہوتے ہی کل سے اشہر حج شروع ہو جائیں گے۔ دوسرا جزو ختم رمضان کے مناسب اس آیت میں لتکبروا اللہ ہے ایک تفسیر پر۔ کیونکہ بعض نے اس سے عید کی نماز مراد لی ہے جو ختم رمضان ہی پر ہوتی ہے جسمیں اور نمازوں سے چند تکبیریں زیادہ ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ ہمنے رمضان کا روزہ اس حکمت سے فرض کیا ہے کہ اسکو ختم کر کے تم انعام کامیابی کے مستحق ہو اور اس کامیابی پر حق تعالیٰ کی حمد و ثنا خاص طریق سے کہ وہ صلوٰۃ عید ہے ظاہر کرو۔ اور بعض نے لتکبروا اللہ سے مطلق

حمد و ثنا مراد لی ہے اس تفسیر پر اس جزو کو خاص ختم رمضان ہی سے مناسبت ہوگی
اب میں آیت کی تفصیل کیلئے دو حدیثیں پڑھتا ہوں جنمیں سے ایک کو تو لتکملوا العدۃ
سے مناسبت ہے یعنی ختم رمضان سے اور ایک کو لتکبروا اللہ سے تفسیر اول پر یعنی عید
کی نماز سے مناسبت ہے پہلی حدیث تو یہ ہے جسکے راوی غالباً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ
عنہ ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رغم انفہ رغم انفہ رغم انفہ
اسمیں حضور نے تین شخصوں پر بد دعا کی ہے کہ انکی ناک رگڑی جائے ذلیل و خوار ہو جائیں
اب سمجھ لیجئے کہ حضور کی بد دعا کیسی ہوگی شاید اسپر کوئی طالبعلم یہ کہے کہ ہم حضور کی
بد دعا سے نہیں ڈرتے کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں دوسرے آپنے حق تعالیٰ سے
یہ بھی عرض کیا ہے انما انا بشر فایما مومن آذیتہ او شتمتہ او جلدتہ او لعنتہ
فاجعلہا لہ صلوٰۃ و زکوٰۃ و قربۃ تقربہ بہا الیک اے اللہ میں بشر ہی ہوں (اسلئے
عوارض بشریہ مجھے بھی لاحق ہوتے ہیں) تو جس شخص کو میں ایذا دوں یا برا بھلا کہوں
یا سزا دوں یا کسی پر لعنت (و بد دعا) کروں تو اسکو اسکے حق میں رحمت اور (گناہوں سے)
پاکیزگی اور قربت کا سبب بنا دیجئے کہ اسکے ذریعہ سے آپ اسکو اپنا مقرب بنا لیں تو
جب آپ نے اپنی بد دعا کے متعلق خود یہ دعا کی ہے کہ وہ سبب رحمت و قرب بنجا یا کرے
تو پھر آپکی بد دعا سے کیا ڈر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ما ارسلناک الا رحمۃ للعٰلمین میں
تو یہی امر محل سوال ہے کہ عالمین سے مراد کیا ہے اور عالمین کیلئے آپ کے رحمت ہونیکا
کیا مطلب ہے مشہور یہ ہے کہ عالمین اپنے عموم پر ہے اور اس عموم میں کفار بھی داخل
ہوں گے اور چونکہ آیت میں کوئی تحدید و توقیت نہیں ہے تو لازم آئیگا کہ آپ کفار کیلئے
دنیا و آخرت دونوں میں سبب رحمت ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کفار پر آخرت
میں آپکی رحمت کسطرح ظاہر ہوگی بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اگر ہمارے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کا وجود نہوتا تو کفار کو آخرت میں اب سے زیادہ عذاب ہوتا حضور کی برکت سے
اسمیں کچھ کمی تجویز کیگئی ہے مگر میرے دلکو یہ جواب نہیں لگا کیونکہ اس دعوی پر کوئی دلیل
قایم نہیں کیگئی کہ اگر حضور نہوتے تو عذاب زیادہ تجویز کیا جاتا۔ دوسرے جہنم کا عذاب قلیل

بھی ایسا شدید ہے کہ ہر شخص یوں سمجھے گا کہ میں سب سے زیادہ عذاب میں ہوں تو اس قلت
سے انکو نفع کیا ہوا۔ میرے ذہن میں جو اس کا جواب آیا ہے وہ یہ ہے کہ عالمین سے
مراد تو معنی عام ہی ہیں مگر رحمت سے مراد خاص وہ رحمت ہے جس کا تعلق ارسال
سے ہے یعنی رحمت فی الدنیا کیونکہ ارسال دنیا ہی کے ساتھ خاص ہے آخرت سے
اُسکو کوئی علاقہ نہیں اور دنیا میں جو آپکی رحمت مومنین وکفار سبکو عام ہے وہ رحمت
ہدایت وایضاح حق ہے چنانچہ قرینۂ مقام اسی پر دلالت کر رہا ہے اسلئے کہ اس لئے
پہلے تبلیغ ہی کا ذکر ہے ان فی ھذا لبلاغا لقوم عابدین ٥ رہا یہ سوال کہ پھر
اسمیں آپکی تخصیص کیا ہے ہدایت وایضاح حق میں تو تمام انبیاء آپکے شریک ہیں
تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تخصیص محض رحمت کے اعتبار سے نہیں بلکہ مجموعہ
رحمۃ للعٰلمین کے اعتبار سے ہے مطلب یہ ہے کہ تمام عالمین کیلئے ہادی بنکر آپ ہی
مبعوث ہوئے ہیں اور عالمین سے مراد تمام مکلفین ہیں جنہیں جن وانس عرب وعجم
سب داخل ہیں حاصل یہ ہوا کہ بعثت عامہ آپ کے ساتھ مخصوص ہے بخلاف اور انبیاء
کے کہ انکی دعوت خاص خاص اقوام کیلئے تھی اور اسپر یہ شبہ نکیا جائے کہ اگر دیگر
انبیاء کی دعوت خاص تھی تو نوح علیہ السلام کی تکذیب سے تمام عالم کے کفار کیوں
غرق کئے گئے بلکہ چاہیے تھا کہ عذاب صرف اُن لوگوں پر آتا جنکی طرف وہ خاص
طور پر مبعوث ہوئے تھے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ حضور کی ساتھ جو دعوت عامہ
مخصوص ہے اُس سے مراد دعوت عامہ فی الفروع ہے۔ باقی اصول میں تو ہر نبی کی دعوت
عام ہوتی ہے کیونکہ اصول تمام انبیاء کے یکساں ہیں اور نوح علیہ السلام کے زمانہ میں
تمام عالم کے کفار اصول ہی میں اُنکی تکذیب کرتے تھے یعنی توحید واعتقاد رسالت
ہی میں خلاف تھے اسلئے سب پر عذاب نازل ہوا بہر حال اس آیت کی تفسیر اگر
وہی ہے جو میں سمجھا ہوں جب تو اسمیں صرف عموم دعوت کا بیان ہے اس سے یہ ثابت
نہیں ہو سکتا کہ آپکی بد دعا بھی رحمت ہے جو اس سے بیفکری کیجائے اور اگر دوسری
مشہور تفسیر ہے تو وہ منافی عذاب کے نہیں رہی حدیث تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپکی

یہ درخواست اُس بددعا کے ساتھ مخصوص ہے جو غلبہ غضب[۱] میں بلا عمد صادر ہو اور یہ بددعا تو عمداً ہے کیونکہ اسمیں تو آپ تبلیغ احکام کیساتھ رغم انفہ فرما رہے ہیں اور اگر یہ مضمون فاجعلہا الصلوٰۃ و زکوٰۃ و قربۃ الخ ہر بددعا کیلئے عام ہوگا تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا ستۃ لعنتھم وکل نبی مستجاب۔ اگر آپکی بددعا مطلقاً قبول نہیں ہوتی تو لعنتھم کے بعد کل نبی مستجاب سے تاکید کیوں کیجارہی ہے بہرحال یہ شبہ تو رفع ہو گیا اسلئے آپکی بددعا سے بیفکری نہیں ہو سکتی مگر حضور نے اس حدیث میں بددعا ایسے لفظوں سے کی ہے جنسے دعا بھی نکل سکتی ہے کیونکہ آپ رغم انفہ فرما رہے ہیں اور رغم انف نماز میں بھی ہوتا ہے تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اے اللہ ان کو نمازی بنا دیجئے گو محاورہ میں یہ معنی مراد نہیں ہوتے مگر لفظ سے بنا بر لغت نکل سکتے ہیں اور کبھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا کیا ہے کہ ایک لفظ کو معنی عرفی سے صرف کر کے بنا بر لغت دوسرے معنی پر محمول کیا ہے تو ہم بھی کر سکتے ہیں حدیث میں آتا ہے کہ جسوقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن ابی رئیس المنافقین کے جنازہ کی نماز پڑھانے کیلئے آگے بڑھنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپکو روکا کہ آپ ایسے لوگوں کی نماز کیوں پڑھاتے ہیں جنکے لئے استغفار کرنیسے حق تعالیٰ نے آپکو منع فرمایا ہے استغفر لھم أو لا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم حضور نے فرمایا کہ اسے عمر حق تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے اور اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ ستر سے زیادہ استغفار کرنے سے انکی مغفرت ہو جائے گی تو میں اس سے زیادہ کر لونگا فلسفی مزاج مصنفین تو اگر اس حدیث کو سن لیتے تو موضوع ہی کہدیتے کیونکہ اسپر اشکال ہوتا ہے کہ کیا نعوذ باللہ حضور کو عربی محاورہ کی بھی خبر نہتھی کہ اس قسم کی تردید سے تخییر مراد نہیں ہوتی بلکہ تسویۃ فی عدم النفع مراد ہوتا ہے اور ذکر سبعین سے تحدید کا قصد نہیں ہوتا بلکہ تکثیر مراد ہوتی ہے مگر حدیث صحیح ہے بخاری مسلم کی روایت ہے اسلئے اسکو موضوع

[۱] قلت یؤیدہ ما ورد فی الحدیث بلفظ انما انا بشر اغضب کما یغضبون الحدیث ۱۲ جامع

نہیں کہا جاسکتا باقی علماء نے اس اشکال کے متعدد جوابات دیئے ہیں مگر میں نے ان جوابوں کو یاد نہیں رکھا بلکہ اپنے استاد رحمۃ اللہ علیہ کا جواب مجھے بہت پسند آیا وہی یاد رکھا۔ ہمارے استاد علیہ الرحمۃ کا جواب یہ ہے کہ حضور نے غایت رحمت سے محض الفاظ سے تمسک فرمایا۔ اس جواب کا حاصل وہی ہے کہ آپ نے معنی عرفی سے عدول کر کے معنی لغوی پر کلام کو محمول فرما لیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ معنی عرفی کی آپ نے نفی فرمادی بلکہ لفظی احتمال کے طور پر فرمایا کہ فی نفسہ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے ایسے ہی ہم بھی کہتے ہیں کہ گو رغم انفہ بد دعا ہی کیلئے ہے مگر لغۃً اس سے دعا بھی نکل سکتی ہے کہ اے اللہ انکو نمازی بنادے تاکہ ان کے یہ عیوب سب مٹ جائیں یہ ایسی تاویل ہے جیسے مثنوی کے اس شعر کی شرح میں ؎

آتش است این بانگ نای و نیست باد
هر که این آتش ندارد نیست باد

شراح کا اختلاف ہوا ہے بعض نے مصرع ثانی میں نیست باد کو بد دعا پر محمول کیا ہے جسمیں یہ آتش عشق نہو خدا کرے وہ ملیامیٹ ہو جائے اور بعض نے اسکو دعا پر محمول کیا ہے کہ مولانا ان کیلئے مقام فنا کی دعا کر رہے ہیں کہ خدا انکو بھی فنا عطا فرمادے ایسے ہی رغم انفہ میں دعا اور بد دعا دونوں مراد ہوسکتے ہیں اب سنئے وہ تین شخص کون ہیں ایک تو وہ شخص ہے جو حضور کا نام سنے اور صلے اللہ علیہ وسلم[۵] نہ کہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا حق ہے جب آپکا نام مبارک لیا جائے یا سنا جائے تو صلے اللہ علیہ وسلم کہنا واجب ہے اگر نہ کہے گا تو گناہ ہوگا ایسے ہی حق تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ جل جلالہ یا تعالیٰ یا اور کوئی لفظ مشعر تعظیم کہنا واجب ہے ورنہ گناہ ہوگا لیکن ایک مجلس میں اگر چند بار نام لیا جائے تو حضور کے نام پر صلے اللہ علیہ وسلم کہنا (اور حق تعالیٰ کے نام پر جل جلالہ یا تعالیٰ کہنا) ایک بار تو واجب ہے اور ہر بار

---

[۵] یہ اولیٰ ہے باقی صرف علیہ السلام کہنا بھی کافی ہے کما فی العالمگیریہ باب الکراہیۃ ج ۷۔ اور نیز وجوب صلوٰۃ یا سلام کو شامی و عالمگیریہ میں سماع اسم کیساتھ مقید کیا ہے اور حدیث من ذکرت عندہ سے عموم معلوم ہوتا ہے فلیحرر ۱۲ ظ قلت یمکن حمل الحدیث علیہ فان الذکر لایخلو عادۃ عن الاسم ۱۲۔ اشرف

کہنا مستحب ہے وہ اس کا مصداق ہوگا ؎

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ ھو المسک ما کررتہ یتضوع

جتنی دفعہ درود پڑھا جائے گا قند مکرر کا لطف ہوگا - اور گو ہر بار صلے اللہ علیہ وسلم کہنا شرعاً ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے مگر محبت و عشق کا مقتضا یہ ہے کہ ہر بار درود پڑھا جائے کیونکہ عاشق کو اسکے بغیر چین نہیں آتا مجنوں کا واقعہ ہے ؎

دید مجنوں را یکے صحرانورد | در بیابان غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود و انگشتان قلم | مے نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنون شیدا چیست ایں | می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلیٰ می کنم | خاطر خود را تسلی می کنم

اسی طرح عشاق کو حضور کے ذکر بغیر چین نہیں ملتا جتنا بھی ہو تھوڑا ہے مگر حضور کا نام لینا حدود کیساتھ ہونا چاہیے ہر طرح اور ہر طریقہ سے اجازت نہیں مثلاً محمد محمد کا ورد کرنا جائز نہیں بلکہ ذکر رسول کا طریقہ یہ ہے کہ درود شریف پڑھا جائے - یہاں تو محمد محمد کہنے کی بھی اجازت نہیں اور آج کل غضب یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے پیر کے نام کا وظیفہ پڑھتے ہیں اور وہ بھی حرف ندا یا کے ساتھ چنانچہ یا وارث کہتے ہیں اور تاویل یہ کرتے ہیں کہ وارث خدا تعالیٰ کا نام ہے کیا خوب! بھلا آپ کو خدا کے ناموں میں سے ایک یہی نام ملا آخر خدا تعالیٰ کے بہت سے ناموں میں سے یہی نام کیوں چھانٹا گیا کیا اسکی یہ وجہ نہیں ہے کہ اس نام کو پیر کے نام سے مناسبت ہے یقیناً اس تخصیص کی یہی وجہ ہے تو کیا یہ شرک نہیں ہے کہ خدا کے ذکر میں پیر کا ذکر بھی شامل ہے ایسے ہی آجکل ہمارے خاندان میں ایک بدعت نکلی ہے کہ خطوط وغیرہ کے شروع میں بامداد اللہ یا ھو الرشید یا ھو القاسم یا ھو المعین یا بفضل الرحمن لکھتے ہیں صاحبو! مجھے اس میں سے بوئے شرک آتی ہے خدا کے واسطے اس طرز کو چھوڑ دو یہ مقدمہ شرک ہے اور ایک دوسری بدعت جو اس سے کم درجہ کی ہے یہ نکلی ہے کہ اپنے نام کیساتھ امدادی یا قاسمی و رشیدی لکھتے ہیں اور بعضے اس احقر کی طرف نسبت کرکے اپنے کو اشرفی لکھتے ہیں چاہے واقع میں کوڑی بھی نہوں مگر

بنتے ہیں اشرفی یہ بھی لغو حرکت ہے اسمیں خواہ مخواہ گروہ بندی اور تحزب ہے کیونکہ ان سلاسل میں کوئی اختلاف نہیں ہے جس کے اظہار کی ضرورت ہو بیں اسکو حنفی و شافعی کی نسبت پر قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ حنفیہ و شافعیہ میں خود فروعی اختلاف بہت ہے اور ائمہ اربعہ کے مقلدین کو باقی اسلامی فرقوں سے اصولی اختلاف ہے تو اس نسبت میں اس بات کا اظہار ہے کہ ہم اصولاً ائمہ اربعہ کے متبع ہیں اور فروعاً کسی خاص امام کے مقلد ہیں لیکن امدادی و رشیدی و قاسمی میں جو نسبت ہے اس سے کون سے اختلاف پر متنبہ کرنا مقصود ہے کچھ بھی نہیں اسمیں سوائے گروہ بندی کے اور کچھ مقصود نہیں۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا میں یہ کہرہا تھا کہ حضور کا ذکر ہر طریقہ سے جائز نہیں۔ اور حاجی صاحب کا جو شعر ہے

دے مجھے عشق محمد اور محمد تو یہیں گن
ہو محمد ہی محمد ورد میرا رات دن

اس سے مراد یہ ہے کہ مجھے قاعدہ شرعیہ کے موافق ہر وقت حضور کے ذکر کی توفیق ہو مگر چونکہ شعر میں تنگی ہوتی ہے اسلئے شعر میں تفصیل نہوسکی کیونکہ وہاں بحر و وزن کی رعایت
۴۰ بھی ہوتی ہے اسی لئے مولانا ایک مقام پر اس تنگی کی شکایت کرتے ہیں

معنی اندر شعر جز باخبط نیست
چوں فلاسنگ ست آنرا ضبط نیست

اور بعض دفعہ ان رعایات سے گھبراکر مولانا بعض تسامحات کا عذر بیان فرماتے ہیں

قافیہ اندیشم و دلدار من
گویدم منداندیش جز دیدار من

ہاں اگر کوئی ایسا شعر کہے جیسا ہمارے ایک دوست نے کہا تھا وہ البتہ ایسی تنگی سے خالی ہوگا قصہ یہ ہوا کہ ایکبار وہ ایک نئی روشنی والے مولوی صاحب سے ملے اور دیوان قاآنی کا نسخہ انکو پیش کیا مگر انھوں نے کتاب کو دیکھا بھی نہیں نہایت لاپروائی اور تکبر کے لہجہ میں کہا کہ کیا یہ آپکی تصنیف ہے (یہ نیچری اکثر متکبر ہوتے ہیں ۱۲) تو ان صاحب کو غصہ آگیا انھوں نے بھی تمسخر سے کہدیا کہ جی ہاں میری ہی تصنیف ہے کہنے لگے کیا آپ شاعر ہیں کہا جی ہاں کہا کیا آپ فی البدیہہ کوئی شعر کہسکتے ہیں کہا ہاں انھوں نے کہا کوئی شعر سنایئے تو آپ فرماتے ہیں

گر مصور تری تصویر اتنیچے
تو اسکے کام کیلئے سوا دو مہینے چاہئیں

(باقی آئندہ)

کہا یہ کیا شعر ہے جسمیں نہ وزن نہ بحر نہ قافیہ نہ ردیف۔ کہا جناب میں پہلے وزن و بحر کی رعایت کیا کرتا تھا پھر میں نے آپکا ایک مضمون دیکھا جسمیں آپنے لکھا تھا کہ پرانی رسوم کا اتباع لغو ہے مگر علما لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں ہمیں چاہیے کہ ان رسوم کو ترک کر کے جس طریق میں راحت معلوم ہو اسکو اختیار کریں۔ میں نے آپکی اسی رای پر عمل کیا اور سوچا کہ شعر میں وزن و بحر و قافیہ کی رعایت بھی پرانی رسم ہے اور اس سے کلام میں تنگی بھی ہوتی ہے تو اسکو بھی ترک کر دینا چاہیے (آپنے تو رسوم دینیہ کے ترک کا مشورہ دیا تھا جو رسوم شعریہ سے بدرجہا اہم ہیں جب انکا ترک آپکے نزدیک مذموم نہیں تو رسوم شعر کا ترک بدرجۂ اولیٰ مذموم نہونا چاہیے ۱۲) وہ صاحب کہتے تھے کہ اس جواب سے وہ مولوی صاحب بالکل لاجواب و خاموش ہو گئے تو اگر ایسا شعر ہو تو اسمیں واقعی تنگی نہوگی ورنہ وزن و بحر کی رعایت کیساتھ شعر میں کیا کیا مضمون آسکتا ہے ضرور تنگی ہوتی ہے اسلئے حاجی صاحب کے شعر میں محمد ہی محمد سے یہ مقصود نہیں کہ حضور کا ذکر اسی طریق سے کیا جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ آپکا ذکر ہونا چاہیے باقی رہا طریقہ تو اسکو علما احکام سے پوچھنا چاہیے سو ہمارے اکابر نے لکھا ہے کہ حضور کے ذکر کا طریقہ درود شریف ہے یا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا۔ صرف محمد محمد کہنا کوئی ذکر نہیں بلکہ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ صرف اللہ اللہ کہنا بھی ذکر غیر ثابت ہے بلکہ خدا تعالیٰ کا ذکر احادیث سے لا الٰہ الا اللہ یا سبحان اللہ والحمد للہ وغیرہ کیساتھ مقید معلوم ہوتا ہے اسکا ایک جواب ہمارے بعض اکابر نے دیا تھا کہ حدیث میں ہے لا تقوم الساعۃ حتی یقال فی الارض اللہ اللہ جبتک زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی باقی ہے اسوقت تک قیامت نہ آئے گی تو اس سے اللہ اللہ کا ذکر ہونا ثابت ہے مگر یہ جواب قواعد پر منطبق نہیں کیونکہ یقال کا مقولہ جملہ ہوتا ہے سو لامحالہ یہاں ذکر بضمن جملہ ہی مراد ہے اور میں نے یہ جواب دیا تھا کہ اسمیں حرف ندا مقدر ہے اصل میں یا اللہ ہے اور تقدیر حرف نداء عرب میں رائج ہے جیسے یوسف اعرض عن ھذا یعنی یا یوسف۔ باقی ہر دفعہ نیت ندا کی ضرورت نہیں بلکہ شروع میں ایک بار نیت کر لینا کافی ہے اگر ہر بار نیت کی ضرورت ہو تو کوئی فعل اختیاری ہی نہو سکے گا دیکھیے مسجد کیطرف نماز کی نیت سے چلنا موجب ثواب ہے تو کیا ہر قدم پر نیت مشی و ارادہ رفع قدم

ضروری ہی ہرگز نہیں ذرا ایسا کر کے تو دیکھو چلنا بھی دشوار ہو جائیگا اسی لیے شمس بازغہ والے نے بھی اس سے بحث کی ہے اور مثال دی ہے کہ اگر عود بجانے میں ہر نقرہ پر قصد کرے تو بلید ہو جاویگا غرض افعال اختیاریہ کیلئے حدوث میں تو ارادہ کی ضرورت ہے مگر ان کے بقا میں ارادہ کی ضرورت نہیں اگر افعال اختیاریہ کا بقا بھی ارادہ پر موقوف ہو تو ان کا صدور دشوار ہو جائیگا اسی طرح ذکر میں ایک دفعہ نیت ندا کافی ہے پھر جتنی دیر تک بھی کرتے رہو گے وہی نیت مستمر رہے گی اور اگر کوئی شخص ہر دفعہ میں نیت کو ضروری کہے گا تو ہم کہیں گے پھر ذکر میں ہر ہر لفظ بلکہ ہر حرف پر ارادہ ضروری ہونا چاہیئے کہ اب الف کہہ رہا ہوں اب لام اب ہا اگر ایک لفظ بھی بلا ارادہ صادر ہوا تو چاہیئے کہ ثواب نہ ملے مگر انشاء اللہ اس طرح ذکر ہی نہ ہو سکے گا جب ہر حرف پر ارادہ کی ضرورت نہیں تو نیت ندا بھی کی کیوں ضرورت ہے یہاں سے معلوم ہو گیا کہ بعض لوگ جو ذکر میں اللہ کی ہا کا خیال کرتے ہیں کہ ہا اچھی طرح ظاہر ہوئی یا نہیں یہ غلطی ہے بس اس طرح ذکر ہو چکا میاں ایک دفعہ صحیح طور پر مخارج نکالکر ذکر شروع کر دو اسکے بعد مخارج کی فکر میں نہ پڑو تاکہ طبیعت مشوش ہو کوئی نماز تو نہیں ہے جو مخارج کے ادا نہونے سے فاسد ہو جائیگی شاید کوئی کہے کہ ذکر تو ناتمام رہیگا میں کہتا ہوں کہ تم بھی تو ناتمام ہی ہو تم ہی کون سے ذاکر کامل ہو تو جیسا ذاکر ہے ویسا ہی ذکر بھی ناتمام سہی کانپور میں مجھسے ایک بڈھے نے پوچھا تھا کہ وتروں کے بعد سبحان الملک القدوس کہنا کیسا ہے میں نے کہا ہاں مسنون ہے حدیث سے ثابت ہے کہنے لگا وہ حدیث تو ضعیف ہے میں نے ظرافت سے کہا تم بھی تو ضعیف ہو تو تم ہی کہاں کے قوی ہو جو تمہیں حدیث قوی کی ضرورت ہے اسوقت مجھے اس حدیث کی قوت وضعف کی تحقیق نہتھی ہاں اتنا معلوم تھا کہ موضوع نہیں ہے اور فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ پر بھی عمل جائز ہے اسلئے میں نے بڈھے میاں کو بوجہ اسکے کہ وہ علمی مباحث کو سمجھ نہیں سکتا تھا اسوقت یہی جواب دیدیا کہ تم بھی تو ضعیف ہی ہو۔ اسی طرح جو شخص یہ کہتا ہے کہ مخرج ہا ادا نہوا تو ذکر ناتمام ہوگا میں اس سے کہتا ہوں کہ تم بھی تو ناتمام ہو ہمارا ذکر تو مخارج ادا ہونے پر بھی ناقص ہی رہے گا بس ؎

این قبول ذکر تو از رحمت ست — چوں نماز مستحاضہ رخصت ست

ذکر کا کمال ادائے مخارج پر نہیں ہے بلکہ اس کا کمال تو قلب پر ہے کہ دل سے کس طرح نکلتا ہے خلوص سے یا عدم خلوص سے مولانا فرماتے ہیں ؎

ناظرِ قلبیم اگر خاشع بود گرچہ گفت لفظ ناخاضع بود

تو ان قیود میں نہ پڑنا چاہیے کہ الف بھی نکلا یا نہیں ہا بھی ادا ہوئی کہ نہیں اس سے بجز تشویش کے کچھ فائدہ نہیں (اور یہ جواب وہمی مزاجوں کیلئے ہے ورنہ اصلی جواب یہ ہے جب ہا منوی ہے تو ضرورت کثرت سے تلفظ معاف ہے جیسے ضرورت شعر میں لفظ اللہ کا الف ساقط ہو جانا جائز ہے کما قیل ؎ الا لا بارک اللہ فی سهیل - (کما فی البیضاوی فی تحقیق اسم اللہ) اور ضرورت کثرت ذکر ضرورت شعر سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے نیز روزمرہ کے محاورات قسم وغیرہ میں ہا کو کوئی بھی ادا نہیں کرتا مگر نہ اسکو کوئی مفتی عاصی کہتا ہے اور نہ یمین کو غیر منعقد کہتا ہے اور بیضاوی میں مقام مذکور میں جو حذف الف کی ساتھ صحیح یمین کو غیر منعقد کہا ہے محشی نے اسکی تفسیر کی ہے ای الیمین بلا نیۃ اور یہاں ذاکر کی نیت تحقیقی ہے اسلیئے وہ ذکر لکھا جاویگا - اسی طرح ذکر نفی اثبات میں جو یہ قید ہے کہ دس مرتبہ کے بعد محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وعلی آلہ وصحابہ وسلم کہا کرے یہ بھی مقصود نہیں بس جب یاد آئے گاہے گاہے کہلیا کرے . . خواہ سو دفعہ کے بعد ہی سہی بعض لوگ اس قید کی بھی پابندی کرتے ہیں کہ تسبیح میں دس دس دانوں کے بعد ایک موٹا سا دانہ ڈالتے ہیں تاکہ فوراً یاد آجائے اسطرح یہ شخص اسی دھندے میں رہتا ہے حق تعالیٰ کی طرف توجہ کامل نہیں ہوتی ایسے ہی بعض لوگ رگ کیماس کے دبانیکا بہت اہتمام کرتے ہیں یہ تمام قیود غیر مقصود ہیں - میں نے حضرت حاجی صاحب سے ضیاء القلوب سبقاً سبقاً پڑھی ہے اس سے بہت نفع ہوا کہ مجھے طریق کی حقیقت معلوم ہوگئی جب میں ان قیود پر گذرا اسوقت معلوم ہوا کہ دسویں بار پورا کلمہ کہنا مقصود نہیں مطلب یہ ہے کہ کبھی کبھی کہلے - یہ سب مضمون تنگی شعر پر چلا تھا جسمیں یہ کہا گیا ہے - ؏ ہو محمد ہی محمد ورد میرا رات دن + اصل مضمون یہ تھا کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سنکر درود شریف پڑھنا ضروری ہے غرض ایک تو آپنے اس شخص کو بددعا دی ہے جو حضور صلعم کا نام سنکر درود نہ پڑھے - اور اس سے خود غرضی کا

شبہ نکیا جائے کہ حضور نے اپنی مصلحت کیواسطے یہ حکم مقرر فرمایا ہرگز نہیں بلکہ حضور کے نام پر درود نہ پڑھنے سے چونکہ حق تعالیٰ کا غصہ اس شخص پر ہوتا ہے۔ اسلئے آپنے امت کو خدا تعالیٰ کے غضب سے بچانا چاہا ہے دوسرا شخص جسپر بددعا فرمائی وہ ہے جس نے اپنی باپ یا ماں کو یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا اور اُنکی خدمت کر کے جنت نہ پالی۔ بڑھاپے کی قید اسلئے لگائی کہ جوانی میں تو وہ تمہاری خدمت کے محتاج نہوں گے بلکہ خود تمہیں اُن کے محتاج ہوگے کیونکہ باپ ماں کی جوانی میں اولاد کا بچپن ہوتا ہے ہاں جب اولاد جوان ہوتی ہے تو اُس وقت والدین بوڑھے ہوجاتے ہیں اب اولاد کو انکی خدمت کرنا چاہئے۔ حق تعالےٰ نے والدین کا بڑا حق رکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اما یبلغن عندک الکبر احدھما اوکلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما ہ کہ اگر والدین میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہونچ جائیں تو اُن سے اُف بھی نہ کہو اور اسی میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر زبان سے کچھ نہ کہا مگر صورت سے ناگواری ظاہر کیجاے کیونکہ اُف سے ممانعت کا مطلب یہی ہے کہ انکو ایذا ندو اور جب صورت سے ناگواری ظاہر کیجاتی ہے تو اس سے بھی مخاطب کو ایذا ہوتی ہے آگے فرماتے ہیں کہ انکو (کسی بات پر) دھمکاؤ بھی نہیں بلکہ تہذیب سے گفتگو کرو یہانتک تو خدمت و تعظیم و ادب کی تعلیم تھی اسکے علاوہ حق تعالیٰ نے والدین کا ایسا حق بھی رکھا ہے جسکی خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو خبر نہیں ہوتی وہ کیا ہے؟ دعا چنانچہ ارشاد ہے وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا ہ دعا بھی ایسی تعلیم فرمائی ہے جسمیں اولاد کو زمانہ احتیاج کو یاد دلایا ہے کہ اس طرح دعا کرو کہ اے پروردگار میرے والدین پر رحم کیجئے جیسا کہ انھوں نے بچپن میں مجھے پالا (اور شفقت و رحمت سے) پرورش کیا ہے۔ اسمیں بتلادیا کہ والدین کے زمانۂ احتیاج میں تم اپنے زمانۂ احتیاج کو یاد کرو کہ کبھی تم بھی نہایت کمزور و ضعیف تھے نہ اپنے ہاتھ سے کھا سکتے تھے نہ پی سکتے تھے نہ چلنے پھرنے کی طاقت تھی پھر والدین نے اُسوقت کس محبت و شفقت سے تمہارے ناز نخرے اٹھائے اور کس شفقت سے پالا کہ آج تم اس قابل ہوئے کہ دوسروں کی خدمت کرو اب تم انکی ضعیفی میں بات بات پر کیوں جھلاتے ہو پھر الفضل للمتقدم تمہارے اندر جو آج خدمت کی

صلاحیت آگئی ہے اسمیں تو والدین کو دخل ہے اور اُنکی خادمیت میں تمکو کوئی دخل نتھا
مگر با اینہمہ وہ تو تمہاری خدمت سے ایک دن بھی نہ گھبرائے اور تم گھبرا گئے اسپر مجھے
ایک بنئے کی حکایت یاد آئی وہ حکایت یہ ہے کہ ایک بنیا اپنے بچہ کو گود میں لئے ہوئے
بیٹھا تھا کہ فصیل پر ایک کوا آکر بیٹھا لڑکے نے پوچھا ابا یہ کیا ہے کہا بیٹا کوا لڑکے
نے پھر تھوڑی دیر میں یہی سوال کیا کہ ابا یہ کیا ہے کہا بیٹا کوا تھوڑی دیر میں پھر وہی
سوال کیا اور بنیا برابر جواب دیتا رہا اور گنتی بھی میں لکھتا رہا لڑکے نے سو دفعہ پوچھا
اور اس نے سو ہی دفعہ جواب دیا اور روزنامچہ میں لکھ لیا۔ بات گئی گذری ہوئی ایک
زمانہ میں وہ وقت آیا کہ لڑکا جوان ہوکر دکان کا مالک ہوا اور بنیا بوڑھا ہو گیا اب بنئے
نے ایک دن لڑکے سے یہی سوال کیا کہ بیٹا فصیل پر کیا بیٹھا ہے اس نے ایکبار تو نرمی
سے کہدیا کہ ابا کوا ہے تھوڑی دیر میں پھر سوال کیا اسدفعہ ذرا اس نے تیزی سے کہا
کہ کوا ہے تیسری دفعہ پھر پوچھا تو غصہ میں جواب دیا کہ کہہ تو دیا کوا ہے۔ چوتھی بار جو اسنے
پھر پوچھا تو بیٹا کہتا ہے کہ تمھاری تو عقل جاتی رہی بس ایک بات کی رٹ ہی لگ
گئی بنئے نے کہا ارے منیم جی ذرا میرے روزنامچہ کی بہی لانا کیونکہ وہ بہی ابتک قائم تھی
(بانی ہیں) بہی نتھی اُسے کھولکر دکھلایا کہ صاحبزادے جب تم بچہ سے تھے تو تمنے سو دفعہ
مجھسے یہی سوال کیا تھا اور میں نے ہر دفعہ محبت سے جواب دیا کہ بیٹا کوا ہے مجھے تو سو بار میں
بھی ذرا غصہ نہیں آیا اور تم تین ہی دفعہ میں جھلانے لگے شاید کوئی یہ کہے کہ بچوں کی
باتیں پیاری معلوم ہوتی ہیں اسلئے اُن سے ناگواری نہیں ہوتی اور بوڑھوں کی باتیں
پیاری نہیں لگتیں اسلئے گراں گذرتی ہیں تو میں کہتا ہوں یہ سچ ہے بیشک بچوں کی
باتیں انکی ناسمجھی اور بھولے پن کی وجہ سے طبعًا اچھی لگتی ہیں تو بوڑھوں کی باتیں سمجھی
کی وجہ سے عقلًا گراں نہ ہونا چاہئیں کیونکہ کم عقلی دونوں میں مشترک ہے بس اگر وہاں
محبت کی وجہ سے طبعًا ناگواری نہیں ہوتی تو یہاں ادب و تعظیم کیوجہ سے عقلًا ناگواری
نہ ہونا چاہیے شریعت یہ نہیں کہتی کہ طبعی ناگواری بھی نہ ہو بلکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر
بوڑھے ماں باپ کی باتوں سے طبعًا ناگواری ہو تو اسکو ظاہر نکرنا چاہیے عقل سے کام

لیکن انکو معذور سمجھنا چاہئیے اس طرح سے عقلی ناگواری نہوگی چنانچہ حق تعالیٰ کی کیسی عنایت ہے چونکہ وہ جانتے ہیں کہ انسان میں طبعاً بوڑھے آدمی کی بیڈھنگی بات سے تغیر آہی جاتا ہے اسلئے آگے فرماتے ہیں ربکم اعلم بما فی نفوسکم ان تکونوا صالحین فانہ کان للاوابین غفورا یعنی حق تعالیٰ تمہارے دلوں کے حال کو خوب جانتے ہیں (کہ تم کو بعض دفعہ طبعاً ناگواری ضرور ہوگی اسلئے اسکے متعلق قانون بتلاتے ہیں) اگر تم صالح ہوگے (یعنی اس طبعی اقتضاء پر عمل نکروگے ۱۲) تو حق تعالیٰ معذرت کرنیوالونکو بخشدینگے اسمیں بتلادیا گیا کہ امور طبعیہ پر مواخذہ نہیں بلکہ اُن کے مقتضا پر عمل کرنے سے مواخذہ ہوتا ہے وہ بھی اُسوقت جبکہ عمداً اسپر عمل کیا جائے اور اگر طبعی ناگواری سے متعلق ہوکر کسی وقت کوئی کلمہ بیجا زبان سے نکل جائے اور بعد میں اُس سے معذرت کرلیجائے تو حق تعالیٰ اسکو معاف فرمادینگے یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ للاوابین میں للتوابین سے ایک فائدہ مہمہ زائدہ ہے وہ یہ کہ توابین میں صرف معذرت پر دلالت ہے اوابین میں خاص تعلق پر دلالت ہے یعنی جو حالت محبت و خدمت کی پہلے تھی وہی پھر اختیار کرلی .... مطلب یہ کہ فوراً ہی معذرت کرلیجائے تو مواخذہ نہوگا نیز ربکم اعلم بما فی نفوسکم میں بڑی رحمت کا اظہار کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ تو دلکو دیکھتے ہیں اگر تمہارے دل میں اختیاراً و عقلاً ادب و تعظیم کی صفت موجود ہو اور ظاہر میں کسی وقت غلطی سے سختی ہوجائے تو اسپر مواخذہ نہوگا ؏

ناظر قلبیم گر خاشع بود … گرچہ گفت لفظ نا خاضع بود

ما بروں را ننگریم و قال را … ما دروں را بنگریم حال را

تیسرا شخص جسپر حضور نے بددعا فرمائی ہے وہ ہے جس نے رمضان کا بابرکت زمانہ پایا اور گناہوں سے اپنی مغفرت نکرائی یہی جزو مجھے زیادہ مقصود ہے کہ اسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں پر وعید فرمائی ہے جو رمضان میں بھی اپنی مغفرت کا سامان نکریں صاحبو! اب رمضان ختم ہونے کو آیا ہے (کیونکہ آج تیس ۳۰ تاریخ ہے ۱۲) اور نمعلوم اب تک ہم نے اسکو کس حالت میں گذارا ہے اب یہ تھوڑا سا وقت باقی ہے اسکو غنیمت سمجھنا چاہئیے

اس میں بھی اگر ہم اپنی اصلاح کرلیں تو سرخرو چنگیر ہو سکتے ہیں حق تعالیٰ کی شان یہ ہے ؏

وگر خشم گیرد بکردار زشت ۔۔۔ چو باز آمدی ماجرا در نوشت

کہ بندہ گناہ کرکے جسوقت بھی رجوع ہونا چاہے وہ اسی وقت سب قصہ ختم کردیتے اور توبہ قبول کرلیتے ہیں پس ہمکو سب گناہوں سے اسیوقت دل سے توبہ کرلینا چاہیے جسکی حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ گناہوں پر ندامت و معذرت ظاہر کریں اور جو حقوق واجب الادا ہیں فی الحال اُنکے ادا کا عزم کرلیں اور فی المآل اُنکے ادا کا اہتمام کریں اور آئندہ کیلئے گناہوں سے بچنے کا پختہ ارادہ کریں اب میں دوسری حدیث پڑھتا ہوں جسکو ایک تفسیر ولتکبروا اللّٰہ علیٰ ما ھداکم سے مناسبت ہے اسکے راوی غالبًا حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں اور مخرج بیہقی ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب رمضان ختم ہوتا ہے اُسوقت حق تعالیٰ ملائکہ سے دریافت فرماتے ہیں یا ملائکتی ما اجر من وفی عملہ قالوا ربنا جزاءہ ان یوفی اجرہ فیقول الرب تعالیٰ ان عبادی وامائی قد وفوا فریضتھم وخرجوا یعجون بالتکبیر والثناء علیّ اشھدوا قد غفرت لھم فیرجعون مغفورا لھم ویبدل اللّٰہ سیاٰتھم حسنات ط او کما قال) یعنی اے فرشتو! بتلاؤ اُس مزدور کی مزدوری کیا ہونا چاہیے جس نے اپنا کام پورا کرلیا وہ عرض کرتے ہیں۔ خداوندا اُسکو پوری مزدوری ملنا چاہیے اسپر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میری بندوں اور بندیوں نے اپنے فرض روزے پورے کرلئے اور اب وہ تکبیر و ثنا پکارتے ہوئے نکلے ہیں گواہ رہو میں نے انکو بخشدیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر سب عیدگاہ کے نمازی بخشے بخشائے لوٹتے ہیں اور حق تعالیٰ اُن کے گناہوں کو نیکیوں سے بدلدیتے ہیں یہ وقت کل کو آنیوالا ہے تو اب ہمارے سامنے دو وقت ہیں ایک تو یہ رمضان کا حصہ ہے جو بہت کم رہگیا ہے اسمیں سامان مغفرت نکرنے پر تو وعید ہے اسلئے ہمکو اس کا حق ادا کرنا چاہیے اور اسمیں توبہ و استغفار و عزم طاعات سے مغفرت کا مستحق ہوجانا چاہیے اور دوسرا وقت کل کو آنیوالا ہے اسمیں بھی دعاء مغفرت کرنا اور مذلت و خلوص کی ایسی حالت بنانا چاہیے جس سے اجر کامل کے مستحق ہوجائیں اب میں اس حدیث کے متعلق چند ضروری باتیں عرض کرکے بیان کو ختم کرنا چاہتا ہوں اس حدیث پر ایک شبہ ہوتا ہے کہ اسمیں ان عبادی و امائی قد وفوا

فی بیتھم و خرجوا وارد ہوا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ خرجوا کا مرجع عبادی و اماء ی دونوں ہیں تو اس سے عورتوں کا بھی عیدگاہ کیطرف نکلنا ثابت ہوا۔ جواب یہ ہے کہ ہاں اصل تو یہی ہے کہ عورتیں بھی عیدگاہ میں جائیں چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں عیدگاہ میں جاتی تھیں مگر اب فتنہ کیوجہ سے اُنکو روکدیا گیا کیونکہ اتنے بڑے مجمع میں اُن کا نکلنا فتنہ سے خالی نہیں مگر نماز عید کا جو ثواب حدیث میں مذکور ہے وہ عورتوں کو بھی ملیگا کیونکہ شرعی قاعدہ ہے کہ جو عمل کسی عذر کیوجہ سے نہ ہو سکے اُسکا اجر ساقط نہیں ہوتا۔ اور دوسرا اشکال یہ ہے کہ یہاں لفظ خرجوا وارد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کی نماز شہر سے باہر ہونا چاہیئے شہر کے اندر نہ ہونا چاہیئے تو اب جو لوگ شہر کے اندر عید کی نماز پڑھتے ہیں کیا اُن کیلئے یہ فضیلت نہو گی اسکا بھی یہی جواب ہے کہ اگر شہر میں عید کی نماز بلا عذر پڑھی جاتی ہے تو یہ خلاف سنت ہے اور اگر بعذر ہے تو انکو بھی وہی ثواب ملیگا جو شہر سے باہر پڑھنے میں ملتا ہے اور انکا عدم خروج اگر کسی کی بیراہی سے ہے تو اس کا وبال اُن لوگوں پر ہوگا جنکی وجہ سے یہ لوگ خروج سے معذور ہیں۔ اور اگر حدیث میں خروج من البیت مراد ہو تو یہ تو ہر حال میں متحقق ہوگا۔ تیسری اس حدیث میں خرجوا یعجون الی بالدعاء سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ذکر بالجہر بلا کراہت مشروع ہے مگر اسمیں تفصیل ہے وہ یہ کہ ایک تو ذکر کا جہر ہے اور ایک ذکر کی اذان ہے تو جہر بالذکر کا ثبوت تو احادیث میں ہے مگر ذکر کی اذان کا کہیں ثبوت نہیں اور یہ لطیفہ نواب صدیق حسن خانصاحب کی صاحبزادے نور الحسن خاں نے فرمایا تھا ایکبار وہ کسی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے جب امام نے ولا الضالین کہا تو بعض غیر مقلدین نے بڑے زور سے آمین کہی نواب صاحب کے بیٹے بھی موجود تھے جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ان چلانے والوں کو بلایا وہ اپنے دل میں خوش ہوئے ہونگے کہ نواب زادہ بھی ہم ہی جیسے ہونگے اسکو ہمارا جہر پسند ہوا ہوگا ضرور کچھ انعام دینگے جب یہ قریب پہونچے تو ایک چپت رسید کیا اور کہا کہ آمین بالجہر تو حدیث میں آئی ہے مگر آمین کی اذان کونسی حدیث میں آئی ہے واقعی بعضے لوگ اتنے زور سے آمین کہتے ہیں جیسے لڑ رہے ہوں ہمارے سب سے چھوٹے بھائی جنکو ہم نے عربی پڑھائی تھی وہ ایک دفعہ قنوج میرے ساتھ گئے وہاں جمعہ کی نماز میں کچھ غیر مقلد بھی شریک تھے جنھوں نے آواز ملا کر اتنے زور سے آمین کہی کہ سننے والوں کو توحش ہوتا تھا نماز کے بعد میرے

چھوٹی بھائی کہنے لگی کہ آمین تو دعا ہے اور دعا کا خاص لب ولہجہ عاجزی و نیاز مندی کا ہوتا ہے جس کا ان
لوگوں میں پتہ بھی نہیں انکے لہجہ سے تو دعا کی شان نہیں معلوم ہوتی یہ بات مجھے بہت پسند آئی واقعی اس جہر
شدید کے ممنوع ہونیکو یہی بات کافی ہے کہ آمین دعا کا لہجہ نہیں ہوتا ایک انگریز نے بھی اس بات کو سمجھا
کسی جگہ مقلدوں اور غیر مقلدوں کا جھگڑا تھا انگریز موقعہ پر تحقیقات کو خود آیا اور یہ فیصلہ لکھا کہ آمین
کی تین قسمیں ہیں ایک بالجہر یہ تو سنت ہے احادیث سے ثابت ہے ایک بالسر یہ بھی سنت ہے احادیث سے
ثابت ہے ایک بالشر جس سے مشتعل کرنا مقصود ہوتا ہے یہ قابل روکنے کے ہے اور ان لوگوں کی آمین تیسری
قسم میں داخل ہے لہذا قابل روکنے کے ہے مسلمانوں کیلئے کتنی افسوس کی جگہ ہے کہ ہمارے دینی معاملات کا
فیصلہ کفار کرتے ہیں خود آپس میں ہم سے تصفیہ نہیں ہوسکتا اور پھر تماشا یہ ہے کہ وہ ہماری واقعات
کی حقیقت کو ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں بہر حال اسی طرح ذکر جہر میں بھی ایک تو جہر کا درجہ ہے اور ایک اسکی اذان کا
درجہ ہے تو اس اذان کا کہیں ثبوت نہیں شاہجہانپور میں ایک ڈپٹی صاحب ذاکر تھے اور ایک بزرگ سے
بیعت تھے وہ ایسا جہر کرتے تھے کہ سارے محلہ والے تنگ تھے وہ بندۂ خدا رات کو دو بجے سے جو ذکر کی اذان
دیتے تو صبح تک محلہ والوں کو سونا دشوار ہوجاتا پھر وہ مجھ سے رجوع ہوئے تو میں نے اس جہر سے روکدیا پھر
تو لوگ مجھے دعا دیتے تھے پھر اہل جہر میں بھی بعض لوگ تو سیلی آواز سے جہر کرتے ہیں اس سے تشویش ۹
نہیں ہوتی اور بعضوں کی آواز بہت سخت ہوتی ہے اس سے دماغ پر چوٹ سی لگتی ہے بہر حال نفس جہر ممنوع
نہیں بلکہ احادیث سے اس کا ثبوت ہے جیسا کہ اس حدیث میں بھی ہے اور ایک دوسری حدیث میں جو
اربعوا علے انفسکم آیا ہے اس سے نفس جہر کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی بلکہ لفظ اربعوا خود بتلا رہا ہے
کہ صحابہ اسوقت مشقت و تعب کے ساتھ ذکر کر رہے تھے اسکو روکا گیا ہے کیونکہ اربعوا کے معنی ہیں ارفقوا یعنی نرمی
کرو۔ تو اگر جہر نرمی سے ہو تو وہ ممنوع نہیں اگر کسی کو شبہ ہو کہ مشقت تو عبادت میں مطلوب ہے پھر اس مشقت سے کیوں
منع فرمایا گیا اسکا جواب یہ ہے کہ مشقت ایک تو مقاصد میں ہوتی ہے ایک طرق میں۔ تو مقاصد میں تو مشقت باعث
اجر ہے اور طرق میں مشقت برداشت کرنا موجب اجر نہیں دوسرے جبکہ اسکا طریق بھی ہو مثلاً ذکر مقصود ہے تو نفس ذکر
میں جو مشقت ہو جیسے دو ہزار کی جگہ چار ہزار دفعہ ذکر کیا جائے یہ مشقت ثواب کی موجب ہے اور ایک مشقت یہ ہے کہ خاص
آواز اور خاص ہیئت سے ذکر کیا جائے سو یہ محض طریق ہے اسمیں مشقت موجب ثواب نہیں پھر ایک دوست اسمیں اطلاق کے
مدعی تھے وہ مشقت کو مطلقاً موجب اجر سمجھتے تھے خواہ مقاصد میں ہو یا طرق میں تو میں نے کہا بہت اچھا پھر آپ وضو
کیلئے یہاں سے پانی نہ لیا کریں بلکہ جلال آباد سے جاکر لایا کریں کیونکہ اسمیں مشقت زیادہ ہے بس انکی آنکھیں کھلگئیں اور
سمجھ گئے۔ تو ممکن ہے کہ صحابہ نے جہر مفرط کیا ہو جس سے مشقت ہو رہی ہو یا جہر تو معتدل ہو مگر وہ مشقت جہر کو موجب

اجر سمجھ رہے ہوں اسلئے حضور نے منع فرما دیا جس سے معلوم ہو گیا کہ جہر من حیث الجہر عبادت نہیں اور اگر مقصود تو ذکر کو سمجھیں اور جہر کو کسی مصلحت سے اختیار کریں جیسے دفع خواطر و حصول جمعیت وغیرہ کیونکہ تجربہ ہے کہ ذکر جہر میں وساوس کم آتے ہیں اور سکون قلب بھی زیادہ حاصل ہوتا ہے تو یہ صورت ممنوع نہیں بشرطیکہ اور کوئی عارض مانع نہ ہو بہر حال فیصلہ یہ ہوا کہ جہر مفرط تو مطلقاً ناجائز ہے جس سے خود کو مشقت ہو یا دوسروں کو اور جہر معتدل میں تفصیل ہے اگر خود جہر کو بقصد ثواب اختیار کرے تو یہ بھی ناجائز و بدعت ہے الا فیما ورد الشرع بالجہر فیہ کالحج بالتلبیۃ والجہر بتکبیرات التشریق ونحوہا (۱۲) اور اگر مقصود نفس ذکر ہو اور جہر اعتدال سے ہو اور اختیار المصلحت ہو تو وہ بدعت نہیں بلکہ ایسا جہر شریعت سے ماذون فیہ بلکہ احادیث میں وارد ہے چنانچہ یعجون الی بالدعا سے اسی حدیث میں جہر کا ثبوت ہو رہا ہے اسکے بعد فرماتے ہیں کہ عید کے روز سبکی مغفرت ہو جاتی ہے پھر جو ن مغفور لہم و بدل اللہ سیاٰتہم حسنات اسمیں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ مغفرت اور تبدیل سیئات سے مراد عید کے لئے عام ہو کہ سبکو دونوں باتیں حاصل ہوتی ہوں سبکی مغفرت بھی ہوتی ہو اور گناہ بھی سب کے نیکیوں سے بدلتے ہوں اور ایک احتمال یہ ہے کہ یہاں دو صیغے اسلئے اختیار کئے گئے کہ مجمع میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں خواص مقربین اور مجرمین تو خواص کیلئے تبدیل سیئات بالحسنات ہوتی ہے اور مجرمین کیلئے مغفرت [illegible] ہے خلاصہ بیان کا یہ ہوا کہ اسوقت میں نے دو حدیثیں پڑھی ہیں ایک میں اُن لوگوں کی عید ہے جو رمضان میں اپنی مغفرت اور بخشوانیکا اہتمام نکریں دوسری اُن لوگوں کیلئے بشارت اور عید ہے جو روزے پورے کرکے عید گاہ میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تعظیم کا حق ادا کرینگے تو ایک میں عید کا ذکر ہے اور ایک میں وعید کا اسلئے میں اس وعظ کا نام بھی العید والوعید رکھتا ہوں پس جو لوگ رمضان کی حرمت میں کمی کر چکے ہیں وہ اس تھوڑے سے باقیماندہ وقت میں اسکی تلافی کر لیں کہ اصل میں کل کو اُسی کی عید ہے جسنے رمضان میں خدا تعالیٰ کو راضی کر لیا مجرم کی کیا عید ہے پھر کل کو دعا و خلوص کیساتھ نماز عید اسطرح پڑھیں جس سے مغفرت و اجر کامل کے اہل بنجائیں پھر انشاء اللہ بخشی بخشائی گھر کو لوٹیں گے مگر اسکے لئے کچھ شرائط ہیں جنمیں سے ایک تو اخلاص فی العمل و الدعا ہے دوسرے عزم طاعت یعنی آئندہ کیلئے اطاعت و فرمانبرداری کا پختہ ارادہ ہو کہ حتی الامکان کوئی نافرمانی نکریں گے اور طاعات کو ہمیشہ بجا لائیں گے اور عزم طاعت کی علامت صدور طاعت ہے کہ اس کے بعد طاعات صادر ہونے لگیں پس اگر کسی سے عید کی نماز کے بعد طاعات کا صدور نہ ہوا تو یہ سمجھا جاویگا کہ اُسنے طاعت کا عزم ہی نہیں کیا اور بدون عزم طاعات کے توبہ کاملہ متحقق نہیں ہوتی تو مغفرت کا بھی اسکے لئے وعدہ نہیں ہے وعدہ انہی کیلئے ہے جو طاعت کا عزم کر لیں جسکے بعد صدور طاعات عادۃً لازم ہے۔ یہ میں نے اسلئے کہدیا کہ مبادا بعض لوگ عید کی نماز پڑھکر سال بھر کو اعمال سے فارغ اور بیفکر ہو جائیں کہ اب تو بخشے گئے اگلے سال پھر عید کی نماز پڑھ لیں گے کہ درمیان کے گناہ اس سے معاف ہو جائیں گے تو یاد رکھو جو شخص ایسی بے نیتی کئے ہوئے ہے اسکو تو یہ حاصل نہ ہوگی نہ اسکے لئے وعدۂ مغفرت ہے اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہمارے روزے قبول فرمائیں اور امین جو کچھ کوتاہی ہوئی ہو اسکو معاف فرمائیں اور اس بقیہ وقت رمضان میں ہم کو مغفرت کا مستحق بنا دیں اور کل کو اجر کامل عطا فرمائیں آمین وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ۰

اشرف علی ۱۲ رجب سنہ ۱۳۵۰ھ۔